مسئلہ فدک کی تحقیق

رحمۃ اللہ علیہ
مناظر اہلسنت علامہ ابو الحسنات اشرف سیالوی

طالب دعا۔ زوہیب حسن عطاری

مسئلہ فدک کی تحقیق ۔ رسالہ مذہب شیعہ ۱۸۷
فدک کے متعلق قابلِ تنقیح امر کا بیان اور مقبوضاتِ زہرا رضی اللہ عنہا ۱۹۱
صدقاتِ زہرا رضی اللہ عنہا کے مصارف ۱۹۳
بطورِ منتظم زیادہ موزوں کون تھا ؟ ۱۹۴
کیا ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن مصرف نہیں ؟ ۱۹۵
یہودی سازش اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی کمال دیانت ۱۹۶
محاصلِ فدک سے اہل بیت رضی اللہ عنہم کی کفالت کا بیان ۱۹۸
کیا فدک و دیگر اموال فئ ذاتی ملکیت ہو سکتے ہیں ؟ ۲۰۱
کیا وراثتِ انبیاء علیہم السلام کا شرعی حکم حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو معلوم نہیں تھا؟ ۲۰۲
مروّت کا تقاضا کیا تھا ؟ ابن ابی الحدید کا سوال ۲۰۵
حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی مروّت اور اخلاص کا بیان اور عملِ زہرا اور عملِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے اس کی تصدیق و تائید ۲۰۷
فدک کے ساتھ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کی سخاوت ۲۱۳

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

شیعی روایات و اقوال میں تعارض ہی تعارض ۲۱۷

کیا ابن ابی الحدید کا سوال لاجواب تھا؟ اور مزید تائیدات ۲۱۸
از حضرت زید بن زین العابدین و امام محمد باقر رضی اللہ عنہما ۲۱۹

مسئلہ فدک کا اجمالی بیان (علامہ ڈھکو صاحب) ۲۲۱

شیعی جوابات کا رد (تحفہ حسینیہ) ۲۲۳

کیا فدک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حضرت زہرا کو ہبہ کیا گیا تھا؟ ۲۲۷

شیعہ کے دعوائے ہبہ کا ردِ بلیغ ۲۳۰

فدک کس کے سامنے ہبہ کیا گیا تھا؟ ۲۳۳

ہبہ فدک کی شیعی دلیل اور اس کی حقیقت ۲۳۶

فدک پر عرصہ سے قابض ہونے کے باوجود نصاب شہادت پورا کیوں نہ ہوا؟ ۲۴۴

کیا حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے ہبہ سے عدول کر کے وراثت کا دعویٰ کیا؟ ۲۵۱

ملکیتِ فدک وغیرہ کی حقیقت کا بیان اور غلط فہمی کی بنیاد کا ازالہ ۲۵۲

عدمِ توریث والی حدیث پر اجماع کا بیان ۲۶۳

حضرت علی کی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے معاملہ فدک
میں موافقت اور علماء شیعہ کا اضطراب ۲۶۸

ابن بابویہ قمی کی تاویل اور اس کی لغویت ۲۶۸

سید مرتضیٰ کی توجیہ اور اس کی لغویت ۲۷۰

قاضی نور اللہ شوستری کی توجیہ اول اور اس کی لغویت ۲۷۲

〃 〃 〃 کی توجیہ دوم اور اس کی لغویت ۲۷۳

〃 〃 〃 کی توجیہ سوم اور اس کی لغویت ۲۷۴

〃 〃 〃 کی توجیہ چہارم اور اس کی لغویت ۲۷۵

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہبہ اور وراثت کے دعاوی میں سے مقدم کونسا تھا؟ ۲۷۶
ہبۂ فدک کا بطلان تعلیماتِ نبویہ اور اسوۂ مصطفویہ کی رُو سے ۲۷۹
علامہ ڈھکو صاحب کا چھٹا جواب اور اُس کا رد ۲۸۲
کیا حضرت ابوبکر نے حضرت زہرا (رضی اللہ عنہا) کو ناراض کیا۔ ساتویں جواب کا ردِ بلیغ ۲۸۳
حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی رضامندی کے لیے شیخین کی مساعیٔ جمیلہ ۲۸۷
حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کی رضامندی ۲۹۰
حضرت زہرا کی حضرت علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہما) پر ناراضگی ۲۹۶
علمائے شیعہ کا حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو موردِ الزام ٹھہرانا ۳۰۰
حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی شکایت کا عنداللہ وعندالرسول ناقابلِ اعتبار قرار پانا ۳۰۴
صاحب ناسخ التواریخ کا اضطراب اور روایت کے رد وقبول سے عجز ۳۰۶
حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کے مزید حوالہ جات ۳۰۹
حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ ۳۱۴
علامہ ڈھکو صاحب کی خیانت ۳۱۹
حضرت صدیق کا حضرت زہرا (رضی اللہ عنہا) کا نمازِ جنازہ پڑھانا ۳۲۲
ادائیگیٔ نمازِ جنازہ کے وجوہ ترجیح ۳۲۴
ابن شہاب زہری کی روایات کی حیثیت۔ رسالہ مذہبِ شیعہ ۳۳۱
زہری کو شیعہ ثابت کر کے گلوخلاصی ممکن نہیں (علامہ ڈھکو) ۳۳۵
معاملہ ابن شہاب زہری کا ازروئے رد وقبول ۳۳۶
سوالات علامہ ڈھکو صاحب کے اور جوابات ہمارے ۳۳۸
مضحکہ خیز باتیں (شیخ الاسلام کی یا علامہ ڈھکو صاحب کی) ۳۴۶
زہری کا عقیدہ ازروئے روایاتِ اہلِ تشیع ۳۴۹

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کہ واقعی ائمہ اثنا عشریہ پر کسی کافر نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور کسی کے لئے ان میں اعتراض و انکار اور تنقیص و تنقید کا کوئی موقعہ و محل نہیں تھا یا خود شیعہ حضرات نے ان کے دین و ایمان پر بھی اعتراض کیا اور ان کے حسب و نسب پر بھی۔ ہاں یوں کہا جا سکتا ہے کہ جن مقبولانِ بارگاہِ خداوندی پر کفار و مشرکین کو بھی طعن و تشنیع کا موقعہ نہیں ملتا۔ یہ شقی ازلی اور بدبخت شیعہ ان کو بھی معاف نہیں کرتے اور صرف ان کے اخلاق و اطوار کو نہیں، ان کے حسب و نسب اور دین و ایمان کو بھی ہدفِ تنقید بنا ڈالتے ہیں خذلھم اللہ تعالیٰ ولعنھم فی الدنیا والاخرۃ۔

رسالہ مذہبِ شیعہ از حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز

مسئلہ فدک کی تحقیق

خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق قطعی اور یقینی علم ہر لحاظ سے ائمہ صادقین کو ہی ہو سکتا ہے۔ ان کے ارشادات کو دیکھیں جو خلفائے راشدین کے مناقب میں خود اہلِ تشیع کی مستند اور معتبر کتابوں میں حد و حساب سے باہر ہیں، جن کا نمونہ عرض کر چکا ہوں، جن کے اعمالناموں کے ساتھ مولیٰ علی رشک فرماویں، جن کو آپ امام الہدیٰ اور شیخ الاسلام فرماویں، جن کے متبعین کو صراطِ مستقیم پر پکا اور ثابت قدم یقین فرمائیں، جن کی اتباع سراسر ہدایت یقین فرمائیں۔ ان تمام ارشادات کے برعکس ان کو ظالم اور غاصب کہنا سراسر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور باقی ائمہ کی تکذیب ہے، اس کے سوا انصاف سے بتلا دیجئے اور کیا ہے؟

جہلاء، اَن پڑھ اور ناواقف لوگوں کو باغِ فدک کے قصے گھڑ کر سنانا اور ان کو ائمہ صادقین کے صریح اور واضح و غیر مبہم ارشادات سے منحرف کرنا چھوڑ دو۔ غور سے سنیے فدک کے متعلق اصول کافی ص ۳۵ مطبوعہ نول کشور

وکانت فدك لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ لانہ فتحہا وامیرالمومنین، لم یکن معہما احد فزال اسم الفیئ ولزمہا اسم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الانفال - یعنی فدک صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، کیونکہ اس کو صرف آپ نے فتح کیا تھا اور امیرالمومنین نے جن کے ساتھ اور کوئی نہیں تھا، تو اس کا نام فیئ نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ انفال میں داخل ہے۔

اب یہ تحقیق کہ اس غزوہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بجز حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے اور کوئی صحابی نہ تھا۔ واقفِ حال حضرات پر چھوڑتا ہوں۔ سر دست صرف اتنی گزارش کرتا ہوں کہ کافی کی تصریح سے اتنا تو واضح ہو گیا کہ فدک فیئ نہیں تھا، بلکہ انفال تھا، تو اب انفال کے متعلق حضرت امام عالی مقام سیدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا واضح اور کھلا فیصلہ ملاحظہ فرماویں:

قال الانفال مالم یوجف علیہ بخیل ولا رکاب او قوم صولحوا او قوم اعطوا بایدیھم وکل ارض خربة او بطون اودیة فھو لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو للامام بعدہ یضعہ حیث یشاء - (اصول کافی ص ۳۵۲) امام عالی مقام نے انفال کی تعریف اس کا مصداق اور حکم بیان فرمایا کہ انفال وہ ہے جس کا حصول فوج کشی کے ساتھ نہ ہو، بلکہ دشمن جنگ کی مصالحت پر پیش کرے یا کوئی قوم اپنے اختیار سے حکومتِ اسلامیہ کو دے دے یا غیر آباد، لاوارث یا دریاؤں اور پہاڑی نالوں کا پیٹ تو یہ سب انفال ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دورِ حیات ظاہرہ میں اس کے واحد مالک تھے اور آپ کے بعد جو امام اور خلیفہ ہو گا، وہی اس کا مالک ہو گا، وہ جس طرح چاہے، اس کو خرچ کرے۔

اسی طرح فروع کافی ص ۶۲۶ ملاحظہ فرماویں اور اصول کافی ص ۳۵۱ پر بھی فدک کو انفال تسلیم کیا گیا ہے اور انفال کے متعلق یہ تسلیم کر لیا گیا کہ امام اور خلیفہ وقت اس کے اندر تصرف میں مختار عام ہے اور خلفاء راشدین کی امامت بحوالہ شافی و تلخیص شافی، نہج البلاغہ، ابن میثم وغیرہ ثابت اور محقق ہو چکی ہے اور بحوالہ کشف الغمہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صدیقیت اظہر من الشمس ہے اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بحوالہ ابن میثم و نہج البلاغہ و کافی وغیرہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا ثابت ہو چکا ہے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے غیر مستحق خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنے کا فتویٰ قیامت تک نہ مٹنے والے نقوش کے ساتھ تحریر کر دیا ہے، تو پھر فرض بھی کر لیں کہ حسب ادعاء شیعہ ان ائمہ ہدیٰ نے فدک کو تقسیم نہیں فرمایا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ صادقین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دین و مذہب کے عین مطابق عمل فرمایا، پھر ظلم اور غصب کے اتہامات کس قدر لغو اور بے معنیٰ ہیں۔ آخر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اور امام عالی مقام سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اور امام عالی مقام سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے، حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے اور سیدنا حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے اور امام عالی مقام سیدنا حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے بھی یہی سنت اختیار فرمائی تھی اور فدک کا تقسیم کرنا جائز نہیں رکھا تھا، بلکہ اسی طریقے پر عمل فرمایا جس پر کہ خلفائے راشدین نے عمل فرمایا۔ یقین نہ آئے تو اہل التشیع کی معتبر ترین کتاب کشف الغمہ صفحہ ۱۴۷ سطر ۲۲ ملاحظہ کریں کہ سب سے پہلے اموی خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے فدک کو تقسیم کیا تھا۔ (رسالہ مذہب شیعہ ص ۱۰۰ و ص ۱۰۱ و ص ۱۰۲)

تحفہ حسینیہ از ابو الحسنات محمد اشرف السیالوی

فدک کے متعلق شیعہ حضرات بہت شور و غل کرتے ہیں، اور اسے خلیفہ اوّل کی طرف سے اہل بیت کرام کے خلاف اقتصادی حربہ قرار دیا جاتا ہے تاکہ وہ بھوک اور افلاس کے ہاتھوں مجبور اور بے بس ہو کر ان کے ماتحت رہیں، اس لیے ان کے منہ سے یہ لقمہ چھین لیا وغیرہ وغیرہ، لہٰذا یہاں پر دو امر خصوصی توجہ کے طالب ہیں۔

اوّل یہ کہ آیا حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کے پاس واقعی صرف فدک ہی واحد ذریعہ کفایت و کفالت کا تھا یا اس کے علاوہ دیگر ذرائع معاش اور خود کفالت کے تھے۔ دوم یہ کہ آیا فدک میں صرف بطور وراثت یا ہبہ کے انتقال کرنے میں اختلاف و نزاع پیدا ہوا تھا یا اس کی آمدنی سے بھی انہیں حصہ نہیں دیا جاتا تھا اور اخراجات کی کفالت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بھی نہیں کی جاتی تھی، لیکن خود شیعی روایات اور مسلمات کی رُو سے حقائق و واقعات، اس سے بالکل مختلف ہیں اور یہ سب کچھ محض زیبِ داستان کے لیے اور عوام اہل اسلام کے جذبات سے کھیلنے کے لئے بیان کیا جاتا ہے۔ آیئے حقیقتِ واقعیہ کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں اور عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اعترافِ حقیقت میں بخل سے کام نہ لیں۔

امرِ اوّل کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کے پاس فدک کے علاوہ سات باغ تھے، جن میں آپ بلا شرکتِ غیرے تصرّف فرماتی ہیں۔ فروعِ کافی جلد ثالث ص٢٧ باب صدقات النبی صلی اللہ علیہ وسلم والائمہ علیہم السلام ووصایاہم کے تحت ابو بصیر سے حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کی یہ وصیت مرقوم ہے:

(۱) هٰذا ما اوصت بہ فاطمة بنتِ مُحمّد رسول اللہ اوصت بحوائطها السبع، العفاف والدلال والبرقة والمیثب والحسنیٰ والصافية ومال لام ابراهيم الی علی بن ابی طالب فان مضیٰ علی فالی الحسن فان مضیٰ الحسن فالی الحسین فان مضیٰ الحسین فالی الاکبر من ولده اشهد الله علی ذالك والمقداد بن الاسود والزبير بن العوام وکتب علی بن ابی طالب۔ یعنی یہ فاطمہ بنتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وصیت ہے انہوں نے اپنے سات باغ یعنی عفاف، دلال، برقہ، میثب، حسنیٰ، صافیہ اور مال ام ابراہیم کی وصیت کی ہے طرف علی بن ابی طالب کے اور ان کی وفات کے بعد حسن کے لیے اور ان کے وصال کے بعد حسین کے لیے اور ان کے وصال کے بعد ان کے سب سے بڑے فرزند کے لیے، میں اس پر گواہ بناتی ہوں اللہ تعالیٰ کو اور مقداد بن اسود اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم کو اور اس وصیت نامہ کو علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) نے تحریر فرمایا اور یہی روایت تہذیب الاحکام جلد ۹، ص١٤٥ اور من لایحضرہ الفقیہ جلد ٤ ص١٨٠ پر موجود ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۲۔عن احمد بن محمد عن ابی الحسن الثانی علیہ السلام قال سألتہ عن الحیطان السبعۃ أ کانت میراث رسول اللہ لفاطمۃ؟ فقال لا انما کانت وقفا وکان رسول اللہ یاخذ منہا ما ینفق علی اضیافہ والتابعۃ تلزمہ فیہا فلما قبض جاء العباس یخاصم فاطمۃ علیہا السلام فیہا فشہد علی علیہ السلام وھی الدلال والعفاف والحسنی والصافیۃ ومال ام ابراھیم والمیثب والبرقۃ

فروع کافی جلد ثالث ص۴۷ ۔ من لا یحضرہ الفقیہ جلد رابع ص۱۸۰
تہذیب الاحکام جلد تاسع ص۱۴۵)

یعنی احمد بن محمد نے حضرت ابو الحسن ثانی رضی اللہ عنہ سے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے سات باغات کے متعلق دریافت کیا کہ آیا وہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بطورِ وراثت حاصل ہوئے تھے تو انہوں نے فرمایا نہیں وہ توقف تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اتنا خرچہ لے لیتے تھے جو اپنے مہمانوں پر صرف فرماتے تھے اور دیگر لازم ذمہ داریوں پر، جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آکر ان میں سے حصّۂ وراثت کے لئے مخاصمت کی ۔۔۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات نے شہادت دی کہ یہ ساتوں باغات حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا پر وقف ہیں۔

شیعہ حضرات کی صحاح اربعہ میں سے تین صحاح کی دو عدد روایات نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، جن سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکارا ہو گئی کہ فدک کے علاوہ سات باغات تھے جو مخیریق یہودی کی ملکیت میں تھے اور اُس نے برضا و رغبت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیے تھے یا بنو النضیر کے متروکہ اموال میں سے تھے، اور وہ حضرت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے تصرف میں تھے، لہٰذا یہ حقیقت بے غبار ہو گئی کہ صرف فدک ہی واحد ذریعۂ معاش نہیں تھا، تو اب درج ذیل امور پر غور فرمائیں،

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۱۔ اگر خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم نے از روئے ظلم و استبداد اقتصادی اور معاشی دباؤ ڈالنا ہوتا تو پھر یہ سات باغات آپ کے تصرف میں کس طرح رہ سکتے تھے؟ اور وہ کونسی قوت تھی، جس نے ان کو یہ سات باغات غصب کرنے سے باز رکھا اور آپ نہ صرف حالت حیات میں ان پر متصرف رہیں، بلکہ بوقت وصال ان کی وصیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے بعد ان کی اولاد کو درجہ بدرجہ وصیت کی۔

۲۔ یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا ان باغات پر قبضہ ذاتی ملکیت اور موروثی مال کے طور پر نہیں تھا، بلکہ مال وقف کے متولی کے طور پر تھا اور ان باغات کو حسب تعریف کافی انفسال میں سے ماننا لازم ہے، تو اس طرح دیگر انفال کا حکم بھی یہاں سے واضح ہو جائے گا۔

۳۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حق وراثت طلب کرنے پر جو جواب ان کو حضرت زہراء اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی طرف سے دیا گیا کہ یہ مال وقف ہے نہ کہ ذاتی ملکیت لہٰذا اس میں وراثت جاری نہیں ہو سکتی اور حضرت زہراء رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں بھی بطور وقف تھا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، پھر حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے تصرف میں بھی بطور مال وقف رہا، ورنہ بیک وقت بطور زوج ہونے کے چوتھائی حصہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مل جاتا اور تین چوتھائی آپ کی اولاد کو مل جاتا۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ اصل میں وقف تھا اور آخر تک وقف کی حالت میں رہا اور یہی جواب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کو دیا گیا تھا تو اگر یہ جواب برحق ہے، تو وہ بھی برحق تھا اور وہ غلط تھا تو صحیح یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ جب دونوں کی صورت ایک ہے، تو شرعی حکم بھی ایک ہی ہونا لازم ہے، اس میں تفریق و امتیاز سراسر زیادتی ہے۔

۴۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سن کر خاموش ہو جانا اور ناراضگی اور ترک سلام و کلام سے بالکل مبرا رہنا، جبکہ ان کے قبضے میں ایک باغ بھی نہیں تھا اور حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کا ایک باغ نہ ملنے پر ناراض ہو جانا اور اتنا سخت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ناراض ہونا کہ منانے کی ہر ممکن کوشش کے باوجود نہ راضی ہونا اور تادمِ زیست کلام بھی ترک کر دینا محلِ غور ہے اور لائقِ فکر و نظر ہے کہ آیا لختِ جگرِ مصطفےٰ رضی اللہ عنہا اس بلند حوصلگی، عالی ہمتی اور فراخ دلی کی زیادہ حقدار و سزاوار تھیں، جو بقولِ شیعہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دوسری اولادِ پاک کی نسبت فطرتاً اسلام اور اس کی طہارت و تقدیس پر متولد ہوئی تھیں یا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو شیعہ کے نزدیک مخلص مومن بھی نہیں تھے، العیاذ باللہ! گویا حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے دادے نے ان کا دعویٰ قبول کر لیا اور اسی قسم کا نانے کا دعویٰ نواسی نے قبول نہ فرمایا، کیا عظمتِ زہراء کے مدِ نظر یہ قابلِ قبول ہو سکتا ہے؟

۵۔ ان روایات سے یہ بھی واضح ہوا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان باغات کی آمدنی میں تصرف فرمانے تھے اور صرف بقدرِ ضرورت اس میں سے لیتے تھے اور بقیہ کو دیگر مصارف میں استعمال فرماتے، جن کا تعلق جہاد اور رفاہِ عامہ سے ہوتا تھا نہ کہ ان کو ذاتی ملکیت کے طور پر تصرف میں رکھے ہوتے تھے اور یہیں سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ کسی متولی کو اپنے زیرِ تصرف اوقاف اور قومی املاک، کسی کی ذاتی ملکیت قرار دینے کا حق نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نائبِ مطلق اور مالکِ کون و مکان اس کی پابندی فرمائیں، تو دوسروں کو اس سے سرِ مو انحراف و عدول کی کس طرح گنجائش ہو سکتی ہے؟

صدقاتِ زہرا رضی اللہ عنہا کے مصارف

اب اس امر کا بھی فیصلہ ہو جانا چاہیے کہ ان صدقاتِ نبویہ اور صدقات و اوقافِ زہراء کے مصارف کیا تھے؟ تو فروعِ کافی کے اسی باب میں اس سوال کا جواب موجود ہے۔ ابومریم روایت کرتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے نبوی اور مرتضوی صدقات کے متعلق دریافت کیا، تو انہوں نے فرمایا: ھی لنا حلال وقال ان فاطمۃ جعلت صدقتھا لبنی ھاشم وبنی المطلب ص۴۷ ج ۳

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وہ ہمارے لئے حلال ہیں اور فرمایا کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے اپنے صدقات بنو ہاشم اور بنو المطلب کے لئے وقف کر رکھے تھے اور یہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ والی روایت کا ماحصل تھا کہ ہم انبیاء کرام علیہم السلام کا گروہ نہ وارث بنتے ہیں اور نہ کسی کو وارث بناتے ہیں۔ ہمارا تمام تر ترکہ صدقہ ہوگا۔ نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکناہ فھو صدقۃ۔ لہٰذا دونوں میں مآل اور انجام کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ نہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اس کو ذاتی ملکیت قرار دیتی تھیں اور نہ ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ بلکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی بطورِ نیابتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال میں تصرف کا حق اپنے لیے ثابت کرتے تھے، جبکہ ان شیعی روایات کے مطابق حضرت سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کا موقف بھی یہی ہے کہ مجھے اس وقف میں تصرف کا حق حاصل ہے۔ لہٰذا یہ کوئی بنیادی اور اصولی اختلاف ہی نہیں، جس کو عالمِ اسلام کا ایک اہم اختلافی نظریہ بنا لیا گیا ہے اور اس کی وجہ سے اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کو موردِ الزام ٹھہرایا گیا اور ظالم و غاصب قرار دے دیا گیا۔

از روئے منتظم زیادہ موزوں کون تھا؟

جب سابقہ گزارشات سے صحیفۂ خاطر پر یہ حقیقت نقش ہو گئی کہ فدک وغیرہ میں اختلاف صرف انتظامی حقداری کے اندر تھا نہ وقف یا قومی ملکیت میں ہونے میں اور نہ اس کے مصارف میں کوئی خاص اختلاف تھا، تو اب اس امر میں غور کر لیا جائے کہ ایسے امور کا انتظام و انصرام مرد بہتر طریقہ پر چلا سکتے ہیں یا عورتیں اور بالخصوص وہ عورت جو عصمت و عفت مآب ہو اور پردہ داروں کی سردار ہو۔ ظاہر ہے کہ آپ کی بجائے کوئی مرد ہی اس انتظام کے لیے موزوں تر ہو سکتا تھا، تو پھر حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز کے پیش کردہ حوالہ جات کی رُو سے ظاہر ہو گیا کہ یہ حق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تھا اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے آنے والے خلفاء و ائمہ کا کما قال الامام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ کہ انفالِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہیں اور آپ کے بعد امام

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وقت کے لیے کہ اسے جہاں چاہے اپنی صوابدید کے مطابق استعمال کرے۔ فصو لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم للاما م بعدہ لایضعہ حیث یشاء

کیا ازواجِ مطہراتؓ رضی اللہ عنہن مصرف نہیں؟

عام اہلِ اسلام کی عورتیں خاوند کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں چوتھا حصہ اور اُس کی اولاد ہونے کی صورت میں آٹھواں حصہ اس کے ترکہ سے حاصل کرتی ہیں، لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات، بلکہ اپنی ماؤں کے لئے حضرت زہراؓ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے کیا سوچا کہ ان کے لیے وراثت بھی نہ ہو اور اخراجات کی کفالت بھی نہ ہو، جبکہ دوسری عورتیں صرف چار ماہ دس دن عدت گزار کر جہاں چاہیں نکاح کر لیں، لیکن ازواجِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس قسم کا تصور و خیال بھی روا نہ ہو۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدًا۔ تو آخر وہ زندگی کے ایام کس طرح پورے کریں اور اخراجات کہاں سے پورے کریں؟ تو اس ضمن میں ثقۃ الاسلام، شریعتِ مدار، مجتہد العصر بلکہ آیۃ اللہ اور روح اللہ کے القاب لکھنے والے علماء و مجتہدین کیا فرماتے ہیں کہ ان ازواجِ مطہرات کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اموال سے جملہ ضروری اخراجات ملنے ضروری ہیں یا نہیں؟ اور انہیں نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وعلیہم وعلیہن کی ازواج ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور امت کی طرف سے یہی بدلہ ملنا چاہیے کہ ان کی روزی بھی بند کر دی جائے اور اختیارِ نکاح بھی ختم کر دیا جائے کیا یہ زوجیت ان کے لیے اعزاز ہوتی، یَا نِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ . . . اور اَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ، یا سزا اور حبسِ بے جا کا موجب بن گئی، لہٰذا ہر صاحب عقل و ہوش اور صاحبِ دیانت و امانت تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یقیناً ازواجِ مطہرات کے جملہ اخراجات کی کفالت تازیست انہیں اموال سے لازم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں تھے، بلکہ امت کی مائیں ہونے کے لحاظ سے دور و دراز سے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اُمتی اور رُوحانی اولاد اُن کے دروالا پر آنی تھی، لہذا اس حیثیت کو ملحوظ رکھ کر ان کو ضروریات مہیا کرنا لازم و ضروری تھا، تو کیا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس لیے گردن زدنی ہیں اور محل طعن و تشنیع کہ انہوں نے ازواج مطہرات کے حقوق کا تحفظ کیا اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت سیدۂ زہرا رضی اللہ عنہما کی ماؤں کی با عزت گزر بسر کا انتظام کیا اور شیعی نقطۂ نظر کے لحاظ سے اسلام پر لازم آنے والے لاجواب اعتراض کو دور کر دیا کہ اسلام نے ازواج مطہرات کے حق میں کس عدل و انصاف کا مظاہرہ کیا ہے کہ اُمت کی عورتیں تو چوتھا یا آٹھواں حصہ لے سکتی ہیں، جبکہ چار سے زیادہ ایک شخص کے عقد میں آ بھی نہیں سکتیں اور صرف چار ماہ دس دن کے لیے پابند ہیں، جبکہ ازواج مطہرات کے لیے زندگی بھر کے لئے پابندی کہ دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتیں اور تعداد کے لحاظ سے بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی پابندی نہیں تھی، اس لیے آپ کے بوقتِ وصال میں نو ازواجِ مطہرات بقیدِ حیات موجود تھیں اور ذرائع معاش اور اسبابِ کفالت میں ان کا حصہ بھی نہیں، تو ان کے حق میں اس سے بڑی اسلام کی طرف سے ناانصافی کیا ہوگی (اگر واقعی یہی اسلامی حکم ہو تو) لہذا حضرتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس توہم اور وسوسہ کو اپنی خداداد فراست اور صحیح نظر و فکر اور راست اقدام سے بیخ و بُن سے اکھاڑ دیا اور عدلِ اسلام کو مہرِ نیمروز کی طرح واضح کر دیا۔

یہود کی سازش اور حضرت صدیق اکبر اور حضرتِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما کی کمال دیانت

اگر دونوں حضرات نے جور و استبداد اور ظلم و ستم کا ارتکاب کرنا ہوتا تو دوسرے باغات بھی چھین لیتے، جس طرح پہلے عرض کیا ہے۔ نیز فدک کو قومی ملکیت قرار نہ دیتے بلکہ اپنے نام منتقل کرتے یا اپنی صاحبزادیوں کے نام منتقل کر دیتے، جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نہ اولادِ جسمانی تھی جو انہیں کما کر کھلائے اور نہ حضرت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حفصہ رضی اللہ عنہا کی آپ سے اولاد اور نہ ہی آپ کا سایہ ان کے سر پر رہا اور نہ ہی زندگی میں آپ نے کوئی مستقل ذریعۂ معاش اور سبب گزران کا ان کے لیے بنایا اور مخصوص ٹھہرایا، لہٰذا اگر ناجائز اقدام کرنا ہی تھا، تو پھر اپنی ان عزیز ترین بیٹیوں کے لیے کیوں نہ مخصوص کر دیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے اس کے متعلق جو فیصلہ فرمایا وہ مخصوص طور اور خالص دیانت داری اور امانت داری کے مطابق کیا اور وہ دنیا اور اس کے فانی مال کے نہ خود طلبگار تھے اور نہ اپنی اولاد کو اس کا طالب بنایا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کے صدقے میں ان اصحاب اور اخص تلامذہ کا یہ حال ہے تو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی لخت جگر رضی اللہ عنہا کے استغنا اور دنیائے دوں سے تنفر کا عالم کیا ہوگا، تو پھر اس ناراضگی اور نہ ختم ہونے والے ارمانوں کا کیا مطلب؟ یقیناً یہ افسانہ نگاری سبائی ذہنیت کا شاہکار ہے، کیونکہ یہ علاقہ یہودیوں نے ہی لشکر اسلام کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکنے کی وجہ سے ڈر کر دے دیا اور مصالحت کرلی، مگر اپنے قلبی دکھ درد اور رنج والم کا اظہار اس انداز سے کیا کہ وہی فدک قیامت تک اہل اسلام کے لیے افتراق وانتشار اور جدال وخصومت کا موجب اور باہمی سر پھٹول کا باعث بن گیا اور اس طرح کیونکر نہ ہوتا جبکہ وہ علاقہ بھی یہودیوں سے لے لیا گیا تھا اور یہ مذہب رفض وتشیع بھی انہیں کا جاری کیا ہوا ہے تو اگر یہ مذہب اس علاقہ کے ہاتھوں سے نکل جانے کی پریشانی واضطراب اور رنج والم اور دکھ درد پر مشتمل نہ ہو اور یہود کو ذلیل وخوار کر کے مدینہ وخیبر سے نکال دینے والوں پر ظلم واستبداد اور جور وستم کے الزامات پر مشتمل ومحیط نہ ہو تو پھر اس کے جاری کرنے کا فائدہ ہی کیا ہوسکتا تھا، لہٰذا فدک کے بہانے ان امراء اسلام کو بھی جی بھر کر گالیاں دیں اور اپنے ارمان نکالے، بلکہ ان شاطروں نے ایسا مذہب اور مسلک ایجاد کیا کہ اس فدک پر اپنی بہو بیٹیوں اور ماؤں بہنوں کو روتا دکھانے کی بجائے رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر فاطمہ وبتول رضی اللہ عنہا کو آنسو بہاتے دکھلایا اور بھری محفلوں میں اس مستورہ ومخدرہ کو اپنے اثبات دعویٰ میں تقریریں کرتے دکھایا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اور والدِگرامی کے سسر اور اپنے نانے پر ظلم و تعدی اور جور و ناانصافی اور شرعی احکام کی خلاف ورزی وغیرہ وغیرہ کے الزامات عائد کرتے اور خود انہیں اسی فدک کے غم میں جہانِ فانی سے کوچ کرتے دکھایا اور اہلِ اسلام میں سے ایک فرقے کو صدیوں سے اسی فدک کے غصب ہونے کی وجہ سے رونے دھونے میں مصروف رکھا ہوا ہے اور یوں فدک حاصل کرنے کے عوض ان غازیانِ اسلام اور بانیانِ اسلام سے بھاری قیمت وصول کی اور بدلہ چکایا، لیکن ہم ہیں کہ نہ اس شاطرانہ چال کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ان مقدس ہستیوں کے اخلاص و وفا کو ہی ملحوظ رکھ کر اس یہودی حربہ کو ناکام کرنے کی کوشش کرتے ہیں ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا ۔۔۔ کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

امرِ دوم: اب یہ دیکھنا ہے کہ فدک کی آمدنی سے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کو اور اہلِ بیتِ کرام کو حصہ ملتا رہا یا نہیں؟ اور یہ حضرات اس کو قبول فرماتے رہے یا نہیں؟ اگر وراثت اور ہبہ کے طور پر ان کے حوالے نہ کرنے کے باوجود ان کے اخراجات کی کفالت ہوتی رہی ہو اور سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا اور دیگر اہلِ بیتِ کرام اس آمدنی سے برضا و رغبت حصہ وصول کرتے رہے ہوں، تو پھر بھی اس اختلاف کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی اور نہ اس کو اچھالنے اور افسانوی رنگ دینے کی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے۔

محاصلِ فدک سے کفالتِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کا بیان

شرح ابن میثم بحرانی میں مرقوم ہے کہ جب حضرت زہراء رضی اللہ عنہا نے فدک کے متعلق بطورِ وراثتِ ملکیت کا دعویٰ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست سنی ہوئی حدیث بیان فرمائی۔

انا معاشر الانبیاء لا نورث ذھبا ولا فضة ولا ارضا ولا عقارا ولا دارا ولکن نورث الایمان والحکمة والعلم والسنة

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وقد عملت بما امرنی وسمعت - جلد خامس ص۱۰۸

یعنی ہم انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت کسی کو سونے، چاندی، زمین، مکان اور حویلی کا وارث نہیں بناتے، لیکن ایمان، حکمت، علم اور سنت کا وارث بناتے ہیں اور میں نے اسی پر عمل کیا ہے جس کا مجھے میرے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا اور جو میں نے آپ سے سنا۔ وکذا فی الاحتجاج للطبرسی ص۱۰۲ مطبع جدید

اس کے بعد حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء نے مجھے فدک ہبہ کر دیا تھا، تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے گواہ طلب کیے۔ اس پر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا، حضرت علی اور حضرت اُم ایمن (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) چنانچہ ان دونوں نے آپ کے حق میں گواہی دی۔ اسی دوران حضرت عمر فاروق، اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما آئے، تو انہوں نے فدک کی آمدنی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تقسیم اور مصارف کی تفصیلات بیان کیں، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

صدقت یا ابنۃ رسول اللہ وصدق علی وصدقت ام ایمن وصدق عمر وصدق عبد الرحمٰن بن عوف وذالك ان لك مالابيك كان ياخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم من فدك قوتكم ويقسم الباقی ويحمل منه فی سبيل الله ولك علی الله ان اصنع بها كما كان يصنع فرضيت بذالك واخذت العهد عليه به وكان ياخذ غلتها فيدفع اليهم منها ما يكفيهم ثم فعلت الخلفاء بعده كذالك - شرح ابن ميثم بحرانی، جلد ۵ ص۱۰۷

یعنی اے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر رضی اللہ عنہا! آپ نے بھی سچ فرمایا اور حضرت علی، حضرت ام ایمن اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی سچ کہا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ جو حصہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، وہ اب بھی تمہارے لیے ہوگا۔ آپ کا طرز عمل فدک کے محاصل میں یہ تھا کہ تمہاری

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

روزی اور اخراجات کی مقدار کے مطابق ان سے لے لیتے تھے اور جو بچ جاتا اس کو تقسیم فرماتے اور جہاد کے لیے سواریاں خرید فرماتے اور میں آپ کو اللہ تعالیٰ ضامن دیتا ہوں کہ میں بھی وہی عمل اور طریق کار اختیار کروں گا جو آپ کا تھا، تو آپ راضی ہو گئیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس عمل اور طریق کار پر عہد لیا چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فدک کی آمدنی سے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی ضرورت اور کفایت کے مطابق ان کے گھر بھیجتے رہتے تھے اور آپ کے بعد والے خلفاء نے بھی اسی روش و کردار کو اپنایا اور حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نے بھی یہی تفصیل شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ص۲۱۶ جلد ۱۶ پر ابوبکر احمد بن عبد العزیز الجوہری کے حوالے سے مرقوم ہے اور دُرّہ نجفیہ شرح نہج البلاغہ جلد ۲ ص ۳۳۲ پر موجود ہے۔

فوائد: شیعہ حضرات کی کتب معتبرہ میں منقول اس تفصیلی روایت سے کئی فوائد حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** یہ ہے کہ حضرت صدیق اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہما کے درمیان اگر وقتی طور پر اس خاص مسئلہ میں اختلاف رائے پیدا ہوا بھی تھا تو وہ ختم ہو گیا اور آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گئی تھیں۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ فدک میں اختلاف رائے کی جہت متعین ہو گئی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اخراجات کی کفالت میں پس و پیش نہیں کر رہے تھے، صرف ذاتی جائداد اور موروثی ملکیت کے طور پر آپ کے حوالے کرنے کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سمجھتے تھے اور اس کو وقف مال اور قومی ملکیت قرار دیتے تھے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مطالبہ پر جو جواب ان کو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے دیا گیا تھا بعینہ وہی جواب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان حضرات کو دیا گیا تھا، گویا اس مسئلہ میں بھی باہم اتفاق و اتحاد ثابت ہو گیا۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ فدک کے ہبہ کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ساری جائیداد کا قبضہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو دے دیا گیا تھا، ورنہ پھر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کے محاصل وصول کرنے اور بقدرِ ضرورت حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو دے کر باقی کو جہاد اور دیگر ضروریات میں استعمال کرنے کا مطلب کیا ہو سکتا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قول کا اور اسے تسلیم کیے جانے کا مطلب کیا ہو سکتا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کو ضامن دیتا ہوں کہ میں اس کو اسی طرح تقسیم کروں گا، جس طرح رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم فرماتے تھے اور آپ نے اس پر رضامندی ظاہر فرمائی، لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ ہبہ سے مراد آمدنی کو ان حضرات پر صرف کرنا تھا نہ کہ ان کے قبضہ میں دے دینا، اور خود دست بردار ہو جانا۔

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ حضرت علی اور حضرت اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا کی گواہی بھی رد نہیں کی گئی اور نہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا دعویٰ ہی بالکل رد کر دیا گیا تھا، بلکہ عملِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور شہادتِ اکابر کے مطابق اس کی صحیح صورت و شکل اور جہت متعین کر دی گئی تھی کہ واقعی فدک کی آمدنی تمہارے سپرد کی جاتی تھی لیکن ساری آمدنی بھی نہیں دی جاتی تھی اور بطورِ ملکیت اور ذاتی جائداد بھی نہیں دی جاتی تھی، بلکہ انفال وفئی کے مصارف میں سے اہم مصرف ہونے کی بنا پر دی جاتی تھی، لہٰذا اس سے شیعہ حضرات کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ردِ دعویٰ اور ردِ شہادت کا الزام عائد کرنے اور پھر اس پر واویلا کرنے کی بنیاد ہی ختم ہو گئی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اخلاص اور احترامِ اہلِ بیت باحسن طریق ثابت ہو گیا۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

کیا فدک وغیرہ ذاتی ملکیّت ہو سکتے ہیں؟

اس تفصیلی روایت اور اس کے فوائد و نتائج کو معلوم کر لینے کے بعد اب صرف یہ نکتہ قابلِ تحقیق و تدقیق رہ گیا کہ آیا فدک اور اس قسم کے دوسرے اموال میں جو بقولِ کلینی اور بروایتِ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ انفال کہلاتے ہیں، ان میں وراثت جاری ہونی چاہیے یا نہیں؟ اور ایسے اموال قومی ملکیت قرار دیئے جائیں یا حاکمِ وقت کی شخصی اور ذاتی ملکیت۔ اربابِ عقل و دانش سے یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ جب بادشاہِ اسلام

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اور حاکمِ وقت افواج وسپاہ کے ہمراہ کسی ملک وقوم پر حملہ آور ہو اور وہ مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے کچھ علاقہ دے کر صلح کر لیں، تو وہ علاقہ لازمی طور پر قومی ملکیت قرار پائے گا نہ کہ اس حاکم وسلطان کی ذاتی ملکیت کیونکہ اس کے رعب و دبدبہ اور ہیبت و جلال کا مظہر افواج وسپاہ ہیں نہ کہ محض اس کی اکیلی ذات اور یہی صورتِ حال فدک کی بھی ہے کہ اس کو بطورِ مصالحت کے پیش کیا گیا اور جنگ سے بچاؤ حاصل کیا گیا۔ جہاں جنگ لڑی گئی، وہاں پر چار خمس مجاہدین اور غازیانِ اسلام کو دیئے گئے، لیکن یہاں جنگ نہیں لڑی گئی تھی، لہٰذا صرف ایک خمس کی بجائے پوری جائیداد پر صرف حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تصرف اور تولیت رہی، لیکن قومی ملکیت کے نگرانِ اعلیٰ اور حاکمِ وقت کے طور پر نہ کہ ذاتی جاگیر کے طور پر اور یہی عندیہ و نظریہ حضرت ابوبکر صدیق اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا کہ یہ قومی ملکیت ہے اور اس کو تمام مصارف میں خرچ کرنا حاکمِ وقت کی ذمہ داری اور اہم فریضہ ہے اور اس مال سے ازواجِ مطہرات اور جملہ اہلِ بیت کرام اور یتامیٰ و مساکین وغیرہ کے اخراجات پورے کئے جائیں گے اور جو بچ جائے گا، اس سے جہاد کے لیے ضروری ساز و سامان حاصل کیا جائے گا اور یہی روش و رفتار اور عمل و کردار سیدِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور اسی پر عمل پیرا ہونے کی حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ نے ضمانت دی اور باہمی صلح و صفائی ہو گئی اور اختلاف و نزاع بالکل ختم ہو گیا اور یہی عمل و کردار اپنے دورِ خلافت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بھی رہا جیسے کہ روایت کے آخری جملہ سے بھی ظاہر اور دیگر حوالہ جات سے بھی جو بعد میں ذکر کیے جائیں گے۔

کیا وراثتِ انبیاء کا شرعی حکم حضرت زہرا کو معلوم نہیں تھا؟

شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ شریعت حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے گھر کی تھی، تو کیا انہیں یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا؟ انہوں نے اس کا مطالبہ پھر کیوں کیا تھا؟ تو ہمارا معروض خدمت ہے

۱۔ جو عمل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تھا، وہی عمل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کا اپنے دَورِ خلافت میں رہا، لہٰذا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے نقطۂ نظر پر مرتضوی عمل نے مہرِ تصدیق ثبت کر دی اور جب شہرِ علم اور مدینۃ الحکمت کے اس عظیم باب کی موافقت و مطابقت اور ہم خیالی ثابت ہو گئی، تو یہ اعتراض حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات سے مندفع ہو گیا، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب باب ہیں، تو اس سے وہی ظاہر ہو گا جو اس شہر کے اندر ہے، لہٰذا جب حقیقی مالک شرع حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عندیہ و نظریہ معلوم ہو گیا، تو اعتراض کی کیا گنجائش رہی؟ موافقتِ عمل کا ایک اور حوالہ عرض کرتا چلوں۔ ابوبکر جوہری نے حضرت امام ابوجعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب محمد بن اسحاق نے ان سے سوال کیا کہ جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ عراق اور اس کے علاوہ دیگر علاقوں میں مسلمانوں کے خلیفہ بن گئے، تو آپ نے ذوی القربیٰ والے حصے میں کیا روش اختیار کی؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا، سلك بهم طريق ابى بكر و عمر۔ کہ انہیں ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) والے طریقہ پر چلایا، تو میں نے کہا، یہ کیسے اور کیونکر ہوا، حالانکہ تم تو فدک وغیرہ کے متعلق مختلف نظریہ رکھتے ہو، تو انہوں نے فرمایا ان کے اہل بیت وہی عقیدہ و نظریہ رکھتے ہیں، جو ان کا تھا، تو میں نے کہا، تو انہیں فدک وغیرہ واپس کرنے میں کیا مانع پیش آیا؟ تو آپ نے فرمایا، کان يكره ان يدعى عليه مخالفة ابى بكر و عمر (شرح ابن ابی الحدید جلد ۱۶، ص ۲۳۱) یعنی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس امر کو پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کی طرف ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کی مخالفت کی نسبت کی جائے۔ تو اگر ان کا عمل قرآن و سنت کے خلاف ہوتا، تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کتاب و سنت کی مخالفت کر کے ان کی موافقت کیسے کر سکتے تھے؟ لہٰذا اس اختلاف میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عمل گویا ثالث اور حکم ٹھہرا اور یہ اختلاف رائے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہما کے باہمی اختلاف کی بجائے حضرت مرتضیٰ اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہما کا اختلاف رائے بن گیا، تو اب تو دونوں ہی حضرات شریعت والے باہم مختلف ہو گئے، تو کیا فتویٰ ہے، ان میں سے کس کا قول وزنی ہو گا؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۲۔ بعض جزوی مسائل میں اختلاف آراء کا پایا جانا نہ ذاتی اختلاف کے زمرے میں آتا ہے اور نہ مذہب و مسلک کے اختلاف کے زمرے میں اور کسی ایک کی رائے کے وزنی ہوجانے سے دوسرے کی توہین و تحقیر بھی لازم نہیں آتی ۔۔ دیکھئے قرآن مجید نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے اختلاف رائے کو بھی بیان فرمایا ہے اور اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم اور فیصلہ کو وزنی اور راجح بھی قرار دیا ہے، حالانکہ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نہ نبوت و رسالت کے منصب پر فائز تھے اور نہ ہی حکومت و سلطنت پر بلکہ ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے تھے۔

کما قال اللہ تعالیٰ؛ وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا۔ (سورۃ الانبیاء)

یاد کرو داؤد اور سلیمان (علیہما السلام) کو جبکہ وہ کھیتی کے متعلق فیصلہ دیتے تھے، جبکہ اس میں ایک قوم کی بھیڑ بکریاں داخل ہو کر چر گئی تھیں اور ہم ان کے فیصلہ و حکم کا مشاہدہ کر رہے تھے اور وہ فیصلہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا تھا اور ان (باپ بیٹے) میں سے ہر ایک کو ہم نے فیصلہ کی قوت اور علم عطا کیا تھا۔

الغرض جب قرآن مجید کی رُو سے بیٹے کو باپ کے فیصلہ کے برعکس اور صاحب وقت پیغمبر اور خلیفہ کے خلاف رائے دینے کا حق ہے اور یہ بیٹے کی طرف سے باپ کی شان میں گستاخی نہیں اور نہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ہتک اور کسر شان تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو منصب خلافت پر فائز ہیں اور رشتہ میں نانے ہیں اور عمر میں بڑے، سفر و حضر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے والے تھے اور آپ کے وزیر و مشیر تھے، اور آپ کے فدک کے متعلق طرز عمل کو بھی آنکھوں سے دیکھنے والے تھے اور ان کے ارشادات کو بھی براہ راست سننے والے تھے، انہیں یہ حق کیوں کر نہیں دیا جا سکتا کہ وہ اس مسئلہ میں اپنی صحیح معلومات پر مبنی دیانتدارانہ رائے ظاہر کر سکیں اور اس سے ان کی طرف سے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی شان میں کونسی تقصیر اور اسارت و بے ادبی لازم آسکتی ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یا اس کو ظلم و جور اور استبداد سے کیونکر تعبیر کیا جا سکتا ہے؟

آخر مروّت کا تقاضا کیا تھا؟

ابن العلقمی کے بندۂ درگاہ اور معتزلی شیعی ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں کہا، کان الاجمل ان یمنعهم التکرم مما ارتکبا منها فضلا عن الدین وهذا الکلام لاجواب عنه ولقد کان التکرم ورعایة حق رسول اللّٰه وحفظ عهده یقتضی ان تعوض ابنته بشیئ یرضیها الخ (ص۲۸۶ جلد ۱۶)

یعنی زیادہ موزوں یہ تھا کہ انہیں جود و کرم اور مروّت و رواداری اس سلوک سے روکتے جو انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے ساتھ روا رکھا چہ جائیکہ دین و ایمان، اور اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں، کیونکہ مروّت اور سخاوت و کرم کا اور حقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہداشت کا تقاضا یہی تھا کہ آپ کو کوئی چیز دے دی جاتی، جس سے آپ راضی ہو جاتیں۔

لیکن فدک وغیرہ کو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دینے کو مروّت اور جود و کرم قرار دینا اور حقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایت قرار دینا سراسر غلط ہے اور بقائمی ہوش و حواس اور شرعی معاملات کی نزاکتوں کو سمجھنے کے بعد ایسا سوال ہرگز نہیں اٹھایا جا سکتا، لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کا بغض بلکہ حضرات اہل بیت کی محبت میں غلو اگر کسی کے ہوش و حواس اور عقل و خرد کو ماؤف کر دے، تبھی اس قسم کے توہمات قلب و ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ بہرحال اس سوال کی لغویت ملاحظہ کریں،

۱۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فدک اور دیگر اموال پر قبضہ ذاتی ملکیت کے طور پر نہیں تھا، بلکہ صرف انتظامی نوعیت کا تھا اور آپ اس کو قومی ملکیت کے طور پر بیت المال کا حصہ سمجھتے تھے اور مستحقین میں تقسیم کرنے کے پابند تھے۔ اگر دوسروں کا حق

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سلب کرتے، تو از روئے شرع شریف مجرم ٹھہرتے۔ نیز حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کو دوسروں کا حق دے دیتے، تو بھی آپ کو مجرم اور ظالم بناتے۔ العیاذ باللہ! لہٰذا یہ سوچ اور فکر قطعاً اسلامی نہیں کہ چونکہ فلاں عظیم شخصیت نے یہ مطالبہ کر دیا ہے تو شرعی احکام کو نظر انداز کر دو، خود بھی مجرم و ظالم بن جاؤ اور اس ہستی کو بھی مجرم اور ظالم بنا ڈالو۔ نگاہِ شرع شریف میں چھوٹے اور بڑے سبھی برابر ہیں اور حقوق العباد میں کسی کی خاطر دائرۂ شرع سے نکلنا اور حدود سے تجاوز کرنا روا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کو مروت و اخلاص اور حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایت اور نگہداشت کہا جا سکتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس مخلص اور پسندیدہ جماعت کی پہچان اور تعارف کراتے ہوئے فرمایا، جس کو اس نے مرتدین اور باغیانِ اسلام کی سرکوبی کے لیے منتخب فرمایا تھا، لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔ کہ وہ شرعی احکام کے نافذ کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوفزدہ نہیں ہوتے۔

اگر اللہ تعالیٰ کے احکام میں لچک پیدا کر لی جائے اور انہیں شخصیات کے گرد گھمانا شروع کر دیا جائے، تو یہ اسلام کی ابدیت اور دوام و بقاء اور اس کی انفرادیت اور امتیازی شان کے سراسر خلاف ہے اور اسلام کو یہودیت کے سانچے میں ڈھالنے کی ناکام کوشش ہے، کیونکہ یہودی احبار نے امیر و غریب اور اربابِ اقتدار اور محروم اختیار لوگوں میں تفریق پیدا کر رکھی تھی، لیکن اسلام نے اس تفریق اور امتیاز کو ختم کر کے بے لاگ اور بے لوث رعایت انصاف مہیا کرنے اور مستحقین کو حقوق ادا کرنے کی ضمانت دی۔ اگر خدا کا آخری دین بھی اسی اونچ نیچ اور امارت و غربت اور وجاہت و افلاس کا تفرقہ روا رکھے تو غرباء و فقراء اور دنیوی وجاہت سے محروم لوگ انصاف کس جگہ سے حاصل کر سکتے اور پھر اسلام کے پنپنے اور قابلِ قبول ہونے کی صورت ہی کیا ہو سکتی تھی؟ لہٰذا عقل و خرد کو شریعت کے تابع سمجھنے والوں کے ذہن میں اس قسم کے توہمات قطعاً پیدا نہیں ہو سکتے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

صدیقی مروّت و اخلاص

ہاں اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذاتی مال کے متعلق حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کا ایسا مطالبہ ہوتا اور آپ کو پیش نہ کرتے، تو خلافِ مروت سمجھا جاسکتا تھا، لیکن اپنے اور بیگانے سبھی شاہد ہیں اور اس حقیقت کے اعتراف و اقرار میں متفق و متحد ہیں کہ حضرت سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی ساری پونجی پیش کرتے ہوئے عرض کیا، واللہ لقرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احبّ الی ان اصل من قرابتی (شرح حدیدی، جلد ۱۶ ص۲۷۰) بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور رشتہ و پیوند کا لحاظ اور صلہ رحمی میرے لئے اپنے قرابت داروں کی نسبت زیادہ اہم اور پسندیدہ ہے۔ لہٰذا میرے ذاتی مال سے جو چاہو سو لے لو وہ آپ کا مال ہے لیکن فدک وغیرہ کے متعلق اگر میں اس روش اور طریقہ سے عدول کروں جو جنابِ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا ہوا تھا، تو میں راہِ راست سے بھٹک جاؤں گا اور ابوبکر جوہری نے نقل کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا،

یا ابنۃ رسول اللہ واللہ ما خلق اللہ خلقا احب الیّ من رسول اللہ ابیک صلی اللہ علیہ وسلم ولوددت ان السماء وقعت علی الارض یوم مات ابوک واللہ لئن تفتقر عائشۃ احب الیّ من ان تفتقری، اترانی اعطی الاحمر والابیض حقہ واظلمک وانت ابنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ھذا المال لم یکن للنبی صلی اللہ علیہ وسلم وانما کان مالا من اموال المسلمین یحمل النبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ الرجال وینفقہ فی سبیل اللہ فلما توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولیتہ کما کان یلیہ الخ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۱۶ ص۲۱۴)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر! مجھے اللہ کی قسم ہے اللہ تعالیٰ نے کوئی فرد ایسا پیدا ہی نہیں کیا جو مجھے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح محبوب ہو اور جس دن آپ کا وصال ہوا، میں اس امر کا دل وجان سے آرزومند تھا کہ آج کے دن آسمان زمین پر گر پڑے اور جہان ہی ختم ہو جائے۔ اللہ کی قسم! میری بیٹی عائشہ کا محتاج اور فقیر ہو جانا میرے لیے قابلِ برداشت ہے، لیکن تمہارا محتاج وفقیر ہونا میرے لیے قابلِ برداشت نہیں ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ میں ہر سُرخ اور سفید یعنی عربی اور عجمی کو تو مال دوں، لیکن تم پر ظلم کروں گا، حالانکہ تم میرے رسولِ کریم کی لختِ جگر ہو۔ صورتِ حال واقعی یہ ہے کہ یہ مال آپ کا ذاتی مال نہیں تھا بلکہ یہ مسلمانوں کے اموال میں سے ایک مال تھا جس میں سے آپ مجاہدینِ اسلام کو سواریاں مہیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ جب آپ کا وصال ہو گیا تو میں اس مال کا متولی بنا، جس طرح کہ آپ اس کے متولی اور نگران تھے الخ

اور احتجاج طبرسی میں یوں منقول ہے، وھٰذہ حالی ومالی وھی لک بین یدیک لاتزوی عنک ولا ندخرونک وانک وانت سیدۃ امۃ ابیک دالی، حکمک نافذ فیما ملکت یدای فھل ترین ان اخالف فی ذالک اباک صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: یہ میرا حال ہے (جو عرض کر چکا) اور یہ میرا مال ہے، جو آپ کی خدمت میں حاضر ہے اور آپ کا ہی مال ہے، وہ نہ تم سے سمیٹ کر دُور کیا جائے گا اور نہ اس کو آپ کے علاوہ کسی کے لیے ذخیرہ کیا جائے گا، جبکہ تم اپنے باپ کی امت کی سردار ہو۔ تمہارا حکم میری مملوکہ اشیاء پر نافذ ہو گا۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ میں فدک کے معاملہ میں آپ کے والدِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کروں گا۔

۲- ابن ابی الحدید کے کلام سے یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ آپ نے نہ کوئی شے دی اور نہ آپ کو راضی کیا، حالانکہ یہ سراسر بہتان ہے اور خلافِ واقع، اور حقیقت ہے، جیسے کہ عرض کر چکا ہوں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں تمہیں اللہ تعالیٰ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کی ضمانت دیتا ہوں کہ میں اس تقسیم میں وہی طریقہ اختیار کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختیار فرماتے تھے اور تمہارے تمام اخراجات اور ضروریات کی اسی طرح کفالت کروں گا، جس طرح آپ کرتے تھے اور عملی طور پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ تمام اخراجات کی کفالت کرتے رہے اور فدک کی آمدنی میں سے معقول حصہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کرتے رہے اور آپ قبول فرماتی رہیں لہٰذا واضح ہو گیا کہ جس مروت کا اظہار رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اسی مروت کا آپ نے بھی فرمایا اور جس مروت کا اظہار آپ نے نہیں فرمایا تھا، اس مروت کا اظہار خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نہیں فرمایا تھا جس طرح کہ ذکر کیا جائے گا کہ حضرتِ زہرا رضی اللہ عنہا نے فدک کا آپ سے مطالبہ کیا، لیکن آپ نے حوالے کرنے سے انکار فرما دیا۔ نیز یہ بھی ذکر ہو چکا کہ اس معاہدہ اور ضمانت کے بعد آپ راضی ہو گئیں۔ جب آپ کو راضی کر لیا، تو پھر بے مروتی کے الزام کا کیا جواز رہ گیا؟ اور مروت وہمدردی بلکہ اخلاص اور نیازمندی کا اس سے زیادہ مظاہرہ حدودِ شرع میں رہتے ہوئے ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

۳۔ اگر آپ کے مطالبہ کے بعد مروت اور ہمدردی صرف یہی تھی کہ آپ کو فدک دے دیا جاتا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ مروت کا تقاضا کیا تھا جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زندہ رہ جانے والا اپنا باپ فرمایا

هٰذا بقيّة آبائی - اوران کو باپ کے ساتھ والی شاخ قرار دیتے ہوئے فرمایا، عم الرجل صنو ابيه وهٰذا عمی وصنو ابی - جو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے لیے رشتہ میں دادا جان تھے، لہٰذا آپ کو چاہیے تھا کہ ان کے وراثت کا حصہ مانگتے بر نہ صرف یہ کہ ان کا حق اور حصہ ان کو عنایت فرمائیں، بلکہ سارے باغات ہی ان کے سپرد فرما دیتیں۔ لہٰذا اگر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے اس جواب سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں بے مروتی ثابت نہیں ہوتی، تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ان اخلاص و نیازمندی پر مبنی جوابات سے کیونکر بے مروتی کا الزام

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لازم آسکتا ہے؟ جو جواب حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی طرف سے ہو سکتا ہے، وہی جواب حضرتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھی ہوگا، بلکہ بطریقِ اولیٰ، کیونکہ باعترافِ شیعہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے پاس تو فدک کے علاوہ سات باغ موجود تھے، جبکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بھی نہیں تھا۔

۴۔ اسی قسم کا واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بڑے بھائی حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کی طرف سے پیش آیا تھا، جس کا نہج البلاغہ میں تفصیلی تذکرہ بایں الفاظ موجود ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، خدا کی قسم! اگر مجھے سعدان کے کانٹوں پر لیٹنا پڑے اور میں گلے میں طوق، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر گھسیٹا جاؤں، تو وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے کہ میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اس حال میں حاضری دوں کہ میں اس کے بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں اور ان کے حقوق غصب کرنے والا۔

پھر فرمایا، واللہ لقد رءیت عقیلا وقد املق حتی استماحنی من برکم صاعا ورءیت صبیانه شعث الشعور غبر الالوان من فقرهم (الی) فظن انی ابیعه دینی واتبع قیاده مفارقا طریقتی فاحمیت له حدیدة ثم ادنیتها من جسده لیعتبر بها الخ (نہج البلاغہ مع شرح ابن میثم جلد ۴، ص۸۳)

ترجمہ: اللہ کی قسم میں نے اپنے بھائی عقیل کو دیکھا، جبکہ وہ مفلس و فقیر ہو چکا تھا اور اُس نے مجھ سے تمہاری (بیت المال کی) گندم سے صرف ایک صاع (چار سیر کا پیمانہ) طلب کیا تھا اور میں نے اس کے بچوں کو دیکھا کہ وہ پراگندہ بال ہیں اور فقر و فاقہ کی وجہ سے زرد اور خاکستری رنگت والے ہیں، جب بار بار انہوں نے اصرار کیا اور اپنے مطالبہ کے پورے کئے جانے پر زور دیا، تو میں نے اپنا کان اُس کی طرف جھکایا۔ اُس نے گمان کیا کہ میں اپنا دین اُس کے ہاتھ بیچ دوں گا اور میں اپنی مہار اس کے ہاتھ میں دے کر اُس کے پیچھے چلوں گا، جبکہ میں اپنی راہ و روش کو چھوڑنے والا ہوں گا تو میں نے لوہے کا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ایک ٹکڑا گرم کر کے اس کے جسم کے قریب کیا تاکہ عبرت حاصل کرلے تو اس گرم ٹکڑے کے جسم سے مس ہوتے ہی اس کی چیخ نکل گئی، تو میں نے اس سے کہا، تجھ پر رونے والی عورتیں روئیں، تو اس ایک ٹکڑے کے مس ہونے سے چلا رہا ہے، جس کو ایک انسان نے مزاح اور مذاق کے طور پر گرم کر کے تیرے جسم کے قریب کیا۔ وتجرنی الی نار سجرھا جبارھا لغضبہ اتئن من الاذی ولا ائن من لظی اور تو مجھے اس آگ کی طرف کھینچتا ہے، جس کو اس کے مالک نے اپنا غضب ظاہر کرنے کے لیے بھڑکایا ہے۔ کیا تو اس تکلیف سے چلا اٹھا ہے اور میں جہنم کی دھکتی آگ سے نہ چلاؤں اور نہ چیخوں (اور بیت المال میں ناحق تصرف سے اپنے آپ کو دور نہ رکھوں)

واللہ لو اعطیت الاقالیم السبعۃ بما تحت افلاکہا علی ان اعصی اللہ فی نملۃ اسلبہا جلب شعیرۃ ما فعلت وان دنیاکم عندی لاھون من ورقۃ فی فم جرادۃ تقضمہا الخ

اللہ کی قسم! اگر مجھے ہفت اقلیم بھی دیئے جائیں بمع ان کے افلاک کے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، وہ سب کچھ دے دیا جائے، مگر اس شرط پر کہ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں، چیونٹی کے منہ میں موجود جو کے چھلکا کے متعلق بھی تو میں قطعاً وہ معمولی زیادتی روا رکھ کر اتنی عظیم سلطنت بھی لینے کے لیے تیار نہیں ہوں گا اور تمہاری یہ دنیا (اپنی تمام تر وسعت اور فراخی کے باوجود میری نظر میں پتے کے اس ٹکڑے سے بھی حقیر تر ہے جو مکڑی کے منہ میں ہو، جس کو وہ چبا رہی ہو

نہج البلاغہ کے اس طویل اقتباس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ حضرت عقیل رضی اللہ عنہ جیسے بڑے بھائی کے بار بار اصرار کرنے پر بھی حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کی اولاد کی خستگی اور بدحالی کا مشاہدہ کرنے پر بھی صرف چار سیر گندم دینا گوارا نہ کیا۔ بلکہ اس تصرف کو جہنمی بننے کا سبب موجب قرار دیا اور اپنے بھائی کو لوہے کے گرم ٹکڑے کے ذریعے تکلیف و ایذاء دے کر اور تپش و حرارت کا احساس دلا کر اپنی معذوری اور مجبوری ظاہر کر دی وغیرہ وغیرہ تو اس اقتباس سے ابن ابی الحدید اور اس کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہم مسلک اور دیگر غالیوں شیعوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور ان کی تنفیذ میں عظیم المرتبت اشخاص کی رو رعایت کا وہم و گمان رکھنے والوں کے لیے اس میں تازیانہ عبرت ہونا چاہیئے۔ اگرچہ امید اس کی نہیں، کیونکہ شارح نہج البلاغہ ہوتے ہوئے اور ایسے ارشادات ملاحظہ کرتے ہوئے بھی جس نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر بے مروتی کا الزام عائد کر دیا اور ان پر دین و ایمان کے تقاضوں کے برعکس عمل کرنے کا بہتان لگا دیا، تو ان کے عبرت حاصل کرنے کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے ؎

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور، دل کا نور نہیں (اقبال)

کیا یہاں بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صرف چار سیر گندم کا سوال تھا اور بیت المال کے اس معمولی مال کے حقداروں کو راضی بھی کیا جا سکتا تھا یا ان سے اجازت بھی لی جا سکتی تھی، لہٰذا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اگر دین و دیانت اور ایمان و امانت اس کی اجازت نہیں دیتے تھے، تو ان کی شانِ مروت اور روا داری و اخلاص اور ہمدردی تو اس بے پرواہی اور بے اعتنائی کی اجازت نہیں دے سکتی تھی، اور صلہ رحمی اور قرابت داری بہر حال اسی امر کی متقاضی تھی کہ انہیں محروم نہ رکھا جاتا۔ اگر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا اور نہ کسی نے آج تک کیا ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کیسے ہو سکتا ہے جبکہ گندم تو جلد گل سڑ جانے والی شے تھی اور اس کے مستحق محدود تھے اور فدک قیامت تک برقرار رہنے والی جائیداد تھی اور قومی ملکیت ہونے کی وجہ سے قیامت تک پیدا ہونے والی نسلیں اس کی حقدار تھیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کس کس کو راضی کرتے اور کس کس سے اجازت لیتے اور اپنی عاقبت کو کیوں خطرات سے دوچار کرتے، بلکہ اگر حضرت زہراء رضی اللہ عنہا دوسروں کا حق لے لیتیں، تو وہ اپنے ابا جان کو کیا منہ دکھلائیں، لہٰذا نہ صرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بلکہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی ارفع و اعلیٰ شان کا تقاضا تو یہ تھا کہ امت کے فقرا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی بھلائی بھی اسی میں تھی کہ اس مال کو اسی حال پر رکھا جاتا جس حال میں کہ وہ زمانۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا، بلکہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی ارفع و اعلیٰ شان کا تقاضا یہ تھا کہ امت کے فقراء و مساکین کی خاطر اپنا خالص حق بھی ان کے حوالے کر دیتیں نہ کہ ان کے حقوق کو ان کے ذرائع معاش اور اسباب کفالت کو اپنے لئے مخصوص ٹھہرا لیتیں اور امت پر ہر حال میں سب املاک اور قومی ملکیتیں ان کے حوالے کر دینی لازم ہو جاتیں۔

حضرت ام کلثوم بنت علی کا مرواریدی ہار بطور عاریت لینا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عتاب فرمانا

اسی ضمن میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا سلوک اپنی لخت جگر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے بھی ملاحظہ فرمائیں۔ آپ نے بیت المال کے نگران و محافظ حضرت ابو رافع اور بروایتے علی بن ابی رافع سے عید کے دن آرائش کی خاطر بیت المال میں موجود ایک مرواریدی ہار تین دن کے لیے ادھار طلب فرمایا۔ انہوں نے واپسی کی ضمانت حاصل کر کے اور گمشدگی کی صورت میں تاوان کی ادائیگی کا عہد لے کر وہ ہار ان کے حوالے فرما دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہار ان کے گلے میں دیکھ کر پہچان لیا اور دریافت فرمایا کہ یہ تمہارے پاس کیسے پہنچ گیا، تو انہوں نے صورت واقعہ عرض کی۔ آپ نے نگران کو بلا کر فرمایا "آیا تو خیانت می کنی در بیت المال مسلمانان بے اذن و رضائے ایشاں گفتم پناہ بخدا می برم از آنکہ خیانت کنم در مال مسلمانان آنحضرت گفتند۔ پس چگونہ بعاریت دادۂ بدختر من عقد مرواریدی را کہ در بیت المال بود۔" آیا تو خیانت کرتا ہے مسلمانوں کے بیت المال میں ان کی اجازت اور رضامندی کے بغیر، میں نے کہا کہ میں اللہ سے پناہ طلب کرتا ہوں اس سے کہ اہل اسلام کے مال میں خیانت کروں، تو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا تو پھر تو نے بطور عاریت میری بیٹی کو موتیوں کا ہار کیوں دیا ہے، جو بیت المال میں تھا؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حضرت ابو رافع نے عرض کیا، اے امیر المومنین! تمہاری لختِ جگر نے مجھ سے بطورِ عاریت وہ ہار طلب فرمایا کہ عید کے دن اس کے ساتھ زینت و آرائش حاصل کریں اور میں نے ان سے واپسی کی ضمانت لے کر ان کے حوالے کیا ہے اور میں خود بھی اس کی واپسی یا تاوان کا خاص ضامن ہوں، تو آپ نے فرمایا،

کہ امروز می باید آں را از او بازپس گرفت و بجائے خود نہاد و اے برتو اگر بعد ازیں چنیں کارے از تو ظاہر شود ترا عقوبت خواہم کرد و اگر دختر من آں عقد را نہ بروجہ مضمونہ مردودہ می گرفت ہر آینہ او اول زن ہاشمی می بود دست او را بدزدی بریدہ بودند ——— آج ہی وہ ہار ان سے واپس لے کر اپنی جگہ پر رکھ دو اور افسوس ہے تجھ پر اگر اس کے بعد تجھ سے ایسا فعل سرزد ہوا تو میں تجھے سزا دوں گا اور اگر میری بیٹی نے اس کو واپس کرنے کی ضمانت پر نہ لیا ہوتا تو وہ پہلی ہاشمیہ عورت ہوتی جس کا ہاتھ چوری کی وجہ سے کاٹ دیتے۔

جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس عتاب اور عزم و عقاب کا حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو علم ہوا تو انہوں نے آپ سے عرض کیا،

من دختر تو ام و سزاوار تر از من کہ بپوشیدن آنعقد پس حضرت امیر با و گفتند اے دختر بواسطہ اشتہائے نفس خود از دائرہ حق بیروں مرو، مگر ہمہ زناں مہاجر درایں عید بمثل ایں عقدے زینت شدہ بودند کہ تو نیز باایستے باآن مزین شد۔

(مجالس المومنین مصنفہ نور اللہ شوستری جلد اول صفحہ ۲۵۰)

ترجمہ، میں آپ کی بچی ہوں اور مجھ سے زیادہ اس کو زیب تن کرنے کا حقدار کون تھا؟ تو حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے ان کو فرمایا اے میری بیٹی! اپنے نفس کی خواہش کے تحت حق کے دائرہ سے باہر نہ نکلو، سب مہاجر عورتوں نے اس عید میں اس طرح کے ہار زیب تن کر رکھے تھے کہ تمہیں بھی اس سے مزین ہونا چاہیے تھا۔

اس روایت اور صورتِ واقعہ کو ملاحظہ کرنے کے بعد بھی ایسی مروتوں کی کوئی گنجائش نکل سکتی ہے۔ گندم حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کو دیتے تو وہ کھائی جاتی لیکن ہار تو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

رکھ سکتا تھا، نہ ہی ہمیشہ کے لیے دیا گیا تھا، صرف بطورِ عاریت اور ادھار لیا تھا۔
اتنے بڑے غازیِ اسلام اور محسنِ ملت کی لختِ جگر محض تین دن کے بیے بیٹی تو پنچے
والا خیانت پیشہ قرار پاتا ہے اور بیٹی! خواہش نفس کے تحت دائرہ حق سے قدم باہر
رکھنے والی قرار پاتی ہے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جس جائیداد کو بیت المال کا
حصہ سمجھتے تھے، اس کو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے حوالے کرکے خود بھی خیانت کے مرتکب
قرار پاتے اور انہیں بھی دائرہ حق سے باہر نکالتے جس کی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
جیسے مخلص مومن اور کامل نیازمند سے کبھی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔

فدک کے ساتھ سخاوت کا دعویٰ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زبانی سنیے کہ ان عالی ظرف، بلند حوصلہ اور ارباب جُود
سخا کے شایانِ شان کونسا امر ہے، بلیٰ کانت فی ایدینا فدك من كل
ما اظلته السماء فشحت عليها نفوس قوم وسخت عنها نفوس
قوم آخرين وما اصنع بفدك وغير فدك والنفس مظانها
فی غد جدث الخ (نہج البلاغۃ مع شرح حدیدی ص ۲۰۸ ج ۱۶ وابن میثم ص ۹۹ ج ۵)

یعنی ہمارے ہاتھوں میں آسمان کی چھائی دنیا میں سے صرف فدک تھا، جس پر
ایک قوم کے نفوس نے بخل وحرص کا مظاہرہ کیا تو دوسری قوم نے جود وسخا اور وسعت
قلب و عالی ظرفی کا مظاہرہ کیا اور میں فدک اور اس کے ماسوا کو کیا کروں اور وہ
میرے کس کام، جبکہ مجھے کل کے متعلق بھی زندہ رہنے کا یقین نہیں، بلکہ قبر میں
پہنچ جانے کا کھٹکا لگا ہوا ہے۔

یہ ہے وہ عمل اور طریق کار جو اہل بیت کے شایانِ شان ہے اور امتِ مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت اور ان کے رشد وہدایت کے لیے مقتداؤں کے لائق
طرزِ عمل، اگر ائمہ کرام اور مقتدایانِ انام ہی معمولی سی دنیاوی منفعت کی خاطر جنگ
جدال اور حرب وقتال پر اتر آئیں اور اُن کا غم وغصہ اور غیظ وغضب اُترنے پر آئے،

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تو وہ عام اہلِ اسلام سے توکل اور بتبتل و انابت سے کام لینے کا مطالبہ کیسے کر سکتے ہیں اور دنیا کی حقارت و رذالت کو ان کے اذہان و قلوب میں کس طرح نقش کر سکتے ہیں۔ اسی طرح کا حکیمانہ ارشاد حضرت زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے بھی آپ نے فرمایا اور ان کو قناعت و توکل کا درس دیا، جبکہ بقولِ شیعہ آپ دربار صدیقی سے واپس جا کر ان پر برس پڑیں اور بہت سخت و سست کہا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا۔

نھنھی عن وجدك یا ابنة الصفوة وبقیة النبوة فما ونیت عن دینی ولا اخطأت مقدوری فان کنت تریدین البلغة فرزقك مضمون وکفیلك مامون وما اعدلك افضل مما قطع عنك فاحتسبی اللہ فقالت حسبی اللہ وامسکت۔ (الاحتجاج طبرسی ص۱۰۱)

اپنا غم و غصہ جانے دیجیے اے خلاصۂ موجودات کی لختِ جگر اور آخر الزماں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نورِ نظر میں نے اپنے دین میں سستی کا مظاہرہ نہیں کیا اور نہ اپنے مقدور جدّ و جہد اور سعی میں خطا کی ہے۔ اگر تم (حصولِ فدک کے ذریعے) اپنی ضروریات اور اخراجات تک رسائی اور کفالت کا ارادہ رکھتی ہو تو تمہارے رزق کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضمانت دی جا چکی ہے اور تمہارا کفیل اور ضامن لائقِ اعتماد اور صاحبِ امانت ہے اور جو کچھ تمہارے لیے آخرت میں تیار کیا جا چکا ہے، وہ اس سے بہت بہتر ہے، جو تم سے قطع کیا گیا ہے لہٰذا اس معاملہ میں صبر کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھو اور جزع و فزع سے باز ہو تو آپ نے فرمایا، مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور آپ نے غم و غصہ اور پریشانی و اضطراب کا اظہار بند کر دیا۔

کیا یہ مقامِ تعجب اور محلِ حیرت نہیں ہوگا کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی تو اسلام کی خاطر گھر بار، مال و اسباب اور خویش و اقربا قربان کر دیں اور جو کچھ پاس تھا، وہ سب کچھ لٹا دیں، مگر اس ہادیِ برحق کی لختِ جگر اور قریب ترین

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مقدس ہستیاں صرف اموال وامتعہ اور املاک وجائیداد ہی سمیٹنے کے درپے ہوں۔ بالیقین کسی بھی اہل بیت کی عظمت کے قائل و معترف شخص کا ضمیر نہ اس وسوسہ کو قبول کرتا ہے اور نہ ہی یہ ان کے شایانِ شان ہے۔

تعارض ہی تعارض

۱۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ تہذیب الاحکام من لایحضرہ الفقیہ اور کافی کلینی کی روایاتِ صحاح میں بصراحت مذکور ہے کہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے زیرِ تصرف سات باغات تھے اور انہوں نے ان کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا اور پھر علی الترتیب حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے لیے وصیت فرمائی لیکن نہج البلاغہ جیسی معتبر و مستند کتاب میں مرقوم ہے کہ آسمان کے نیچے کی وسیع و عریض دنیا میں سے آپ کے زیرِ تصرف صرف فدک تھا۔ اگر صحاحِ ثلاثہ والی روایات صحیح ہیں تو یہ غلط ہے اور اگر یہ صحیح ہے تو وہ غلط ہیں۔

۲۔ نہج البلاغہ کی عبارت سے یہ ثابت ہے کہ ہم نے فدک کے ساتھ سخاوت کر دی تھی اور عالی ظرفی اور بلند حوصلگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اگر یہ دعویٰ صحیح ہے، تو ناراضگی اور قطعِ تعلقی اور ترکِ سلام و کلام کے افسانے غلط ہیں اور اگر وہ صحیح ہیں تو پھر نہج البلاغہ میں مرقوم خطباتِ مرتضویہ پر اعتماد و اعتبار کی کوئی وجہ نہیں رہتی۔

۳۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمان پر اگر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ کے ثواب اور اجر کو حاصل کرنے کے لیے صبر سے کام لیا تھا تو پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر تا زیست ناراضگی اور بائیکاٹ جاری رکھنے اور جنازہ کی نماز میں شامل ہونے سے روکنے کے افسانے بے بنیاد ہیں اور اگر وہ صحیح ہیں، تو علامہ طبرسی کا درج کردہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ خطبہ اور ارشاد ناقابلِ اعتبار ہو گیا اور صرف اس جگہ نہیں، بلکہ ہر جگہ شیعی روایات تعارض و تضاد کا ہی نمونہ ہیں اور کیوں نہ ہو دروغ بافی اور کذب بیانی کا یہی نتیجہ ہوا کرتا ہے کہ "دروغ گورا حافظہ نباشد"

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کیا یہ سوال لاجواب تھا؟

آپ نے ابن ابی الحدید کا دعوئے باطل ملاحظہ کیا تھا کہ اس سوال کا جواب نہیں بن سکتا، تو ہماری ان گزارشات کو ملاحظہ کرنے کے بعد ترازوئے انصاف و عدالت تمہارے ہاتھ میں ہے۔ خود ہی اپنے دین و دیانت اور ایمان و امانت کے مطابق فیصلہ کریں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا گھر حاضر کر دیا۔ اخراجات کی کفالت کا عہد کیا اور حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کو راضی کرنے کی ہر امکانی کوشش کی، حتیٰ کہ آپ کو راضی کر لیا، تو اس کے علاوہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کس مروت کا مظاہرہ کرتے، جبکہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاملہ اور سلوک بھی تمہارے سامنے ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اپنے دورِ خلافت کا عمل بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے صدق و اخلاص پر مہرِ تصدیق ہے۔

تائید مزید کے طور پر حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہما کے ارشاد کی طرف توجہ فرماویں جو آپ نے میدان کارزار میں تلواروں کی چھاؤں میں تیروں کی بارش اور نیزوں کی نوکوں کے سامنے برملا اور برسرِ عام یہ اعلان فرمایا اور چالیس ہزار افراد میں سے صرف پانچ سو باقی رہ گئے اور دوسرے سبھی الگ ہو گئے، لیکن حسین رضی اللہ عنہ کے غیور خمیر سے پیدا ہونے والے اس عظیم و جلیل امام نے حضرات شیخین کی عظمت و جلالت اور علو مرتبت و فضیلت اور کتاب و سنت کی مطابقت و متابعت کو بہانگِ دہل بیان کیا اور فرمایا:

۱۔ در حقِ ایشاں جز بسخن خیر نمی گویم واز اہل خویش نیز در حق ایشاں جز بسخن خیر نشنیدہ ام و بالجملہ زید فرمود ایشاں بکتاب خدا و سنتِ رسول کار کردند و بر کسے ظلم و ستم نہ راندند (ناسخ التواریخ جلد دوم از کتاب دوم ص ۵۹۰)

یعنی میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے حق میں سوائے خیر اور بھلائی کے کلام نہیں کرتا اور اپنے اہل بیت اور آباؤ اجداد سے بھی ان کے حق میں سوائے خیر اور بھلائی کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کلمات کے کبھی کچھ نہیں سنا۔ خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان دونوں حضرات نے کتابِ خدا اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کیا اور کسی شخص پر ظلم و ستم نہیں کیا۔

ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے یہ سوال کیا تھا، وہ ان کے حق میں ظلم اور غصب کی بدظنی میں مبتلا تھے، لیکن فرزندِ رسول نے برسر دار ان حضرات کی برأت بیان کی اور ان سے ہر قسم کے ظلم و ستم اور جور و استبداد کی نفی کر دی۔ اگر فی الواقع ایسا کوئی غلط اقدام ان کی طرف سے ہو چکا ہوتا تو آپ اس کا اعلان کر کے اپنے لشکر کو مطمئن کر سکتے تھے، ان کی امداد و اعانت سے بھی مستفید ہو سکتے تھے اور اپنی جان بھی بچا سکتے تھے، لہٰذا حضرت زید رضی اللہ عنہ کے اس جواب سے صاف ظاہر ہو گیا کہ ان حضرات کا دامن اس قسم کے سوءِ ظن اور بدگمانیوں اور غلط بیانیوں کی آلودگی اور آلائش سے پاک تھا اور بے داغ و بے غبار، اسی لیے فرزندِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی ایسے موقعہ پر بھی برأت بیان کرنا ضروری سمجھی، جبکہ خود ان کی جان خطرات میں گھری ہوئی تھی۔

۲۔ حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہ کا ایک اور ارشاد ملاحظہ فرمائیں، جس کو ابن ابی الحدید نے ابوبکر احمد بن عبدالعزیز الجوہری کی کتاب سے نقل کیا ہے کہ بحتری بن حسان نے حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میں ابوبکر کی توہین کرنا چاہتا ہوں اور ان کے اس اقدام کی مذمت کرنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا سے فدک چھین لیا تھا، تو آپ نے ارشاد فرمایا:

ان ابا بکر کان رجلا رحیما و کان یکرہ ان یغیر شیئا فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (الی) وایم اللہ لو رجع الی لقضیت فیہا بقضاء ابی بکر۔ (شرح حدیدی جلد ۱۶، ص ۲۲۰)

بے شک ابوبکر رحیم و کریم آدمی تھے (لہٰذا وہ غصب کے روادار کیونکر ہو سکتے تھے) وہ اس امر کو پسند نہیں کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل و کردار میں تبدیلی کریں (تا)، اور اللہ کی قسم اگر وہ معاملہ میرے پاس بھی پہنچتا، تو میں وہی فیصلہ کرتا جو ابوبکر نے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کیا تھا۔ رضی اللہ عنہ وعنہ۔

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کی تائید و تصدیق

اسی طرح کا سوال حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے بھی کیا گیا، جس قسم کا سوال حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کیا گیا تھا اور آپ نے بھی بالکل ویسا ہی جواب عطا فرماکر حضرت صدیق اور فاروق رضی اللہ عنہما کی برأت بیان فرمائی۔

عن کثیر النوال قلت لابی جعفر محمد بن علی جعلنی الله فداءك ارأیت ابا بکر وعمر هل ظلما کم من حقکم شیئا فقال لا والذی انزل القرآن علی عبده لیکون للعالمین نذیرا ما ظلمانا من حقنا مثقال حبة من خردل قلت جعلت فداءك افاتولاهما قال نعم ویحك تولهما فی الدنیا والاخرة وما اصابك ففی عنقی ثم قال فعل الله بالمغیرة وبنان فانهما کذبا علینا اهل البیت (شرح حدیدی ج ۲ ص۲۲) یعنی کثیر النوال سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابوجعفر محمد بن علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا فرمائے، یہ تو فرمایئے کہ ابوبکر و عمر نے تمہارے حق میں کسی قسم کی تعدی یا زیادتی اور جور و ظلم کیا ہے، تو انہوں نے فرمایا نہیں، مجھے اس ذات اقدس کی قسم ہے، جس نے اپنے عبد خاص پر قرآن نازل کیا تاکہ وہ سب اہل جہاں کے لیے نذیر ہوں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائیں۔ ان دونوں حضرات نے ہم اہل بیت کے حق میں رائی کے دانے کے برابر بھی ظلم و تعدی سے کام نہیں لیا۔ میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان کیا جاؤں۔ کیا میں ان دونوں سے محبت رکھوں؟ آپ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے ان دونوں سے دنیا و آخرت میں دوستی اور قلبی عقیدت و محبت رکھ اور اگر تجھے ان کی محبت و اُلفت سے کوئی ضرر اور نقصان لاحق ہوا تو وہ میری گردن پر ہوگا اور میں اس کا ضامن ہوں گا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ مغیرہ اور بنان پر لعنت کرے اور انہیں تباہ وبرباد کرے، ان دونوں نے ہم اہل بیت پر بہتان باندھے اور ہماری طرف جھوٹی روایات منسوب کیں اور قبل ازیں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم، علی مرتضیٰ، عبداللہ بن عباس وغیرہم کے ارشادات بھی ملاحظہ کر چکے اور اب ان اہل بیت کے اکابرین کا نظریہ معلوم ہو جانے کے بعد اور ان کا حضرات شیخین کے ساتھ قلبی تعلق معلوم ہونے کے بعد بلکہ ان کی طرف سے شیخین کی محبت و اُلفت کا حکم دینے کے بعد اور ہر قسم کے اُخروی مؤاخذہ اور عذاب و عتاب سے تحفظ کی ضمانت فراہم کرنے کے بعد بھی صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے دامن پر کسی آلودگی اور آلائش کا وہم و گمان کیا جا سکتا ہے اور ان حضرات کی محبت و عقیدت سے کسی مومن کا قلب و جگر خالی رہ سکتا ہے، جبکہ حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ جیسی ہستی نے ان مذہبی چوروں ڈاکوؤں اور بہتان تراش اور افترا پرداز یہودیوں اور مجوسیوں کی نشاندہی بھی کر دی ہو تو پھر ایسے الزامات عائد کرنے والے مذہب اہل بیت اور دین مرتضیٰ اور دین باقر و جعفر پر ہونے کا قطعاً دعویٰ نہیں کر سکتے۔ بلکہ صرف اور صرف مغیرہ و بنان جیسے کذابوں کے دین و مذہب پر ہونے کا ہی دعویٰ کر سکتے ہیں، کیونکہ جب اکابرین اہل بیت کو اور حق فدک، یا حق خلافت کے مفروض حقداروں کو ان پر اعتراض نہیں ہے، تو ہمیں ان پر تنقید اور اعتراضات کا کیا حق پہنچتا ہے، اور ان کی تحقیر و توہین کی جرأت و جسارت کیسے کر سکتے ہیں اور ان معاملات کو اچھالنے اور شور و شر پیدا کرنے کا کیا حق ہے؟ اللھم ارزقنا حبك وحب حبیبك وحب آلہ واصحابہ اجمعین۔

تنزیہہ الامامیہ — از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

مسئلہ فدک کا اجمالی بیان

حضرات! حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے فدک کے متعلق ارشادات ملاحظہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فرمالیے اور بطورِ تتمہ ہماری گزارشات بھی، تو اب علامہ ڈھکو صاحب کے جوابات ملاحظہ ہوں : ۱۔ مؤلف کی حالت بھی عجیب ہے کہ بغیر ربط و ارتباط کے کبھی کوئی مسئلہ چھیڑ دیتے ہیں اور کبھی کوئی مسئلہ۔

۲۔ جن مسائل پر فریقین کی طرف سے ضخیم اور مستقل کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ پیر صاحب انہیں چند سطروں میں حل کر دینا چاہتے ہیں۔

۳۔ پیر صاحب سیالوی نے مسئلہ فدک کے سلسلہ میں دو باتوں پر بہت زور دیا ہے۔ اوّل یہ کہ فدک از قسم انفال تھا نہ از قسم فیٔ اور انفال کا حکم یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیاتِ طیبہ میں اس کے واحد مالک تھے اور آپ کے بعد جو امام ہوگا، وہی مالک ہوگا، جس طرح چاہے اُس کو خرچ کرے۔

دوسرا یہ کہ فدک کے متعلق جتنی روایات ہیں ان کا راوی ابن شہاب زہری ہے، جو کہ شیعہ تھا، لہذا یہ روایات ناقابلِ قبول ہیں۔

۴۔ یہ امر تو طے شدہ ہے کہ فدک مالِ غنیمت کے قسم سے نہیں تھا جس میں تمام اہلِ اسلام شریک ہوتے اور جب یہ تسلیم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے واحد مالک تھے۔ تو ہم بانگِ دہل اعلان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسی حق کو استعمال کرتے ہوئے باغِ فدک حضرت زہرا۔ (رضی اللہ عنہا) کو دے دیا تھا یعنی ہبہ کر دیا تھا اور وثیقہ بھی لکھ دیا تھا۔ چنانچہ جب آیت اتری، وَآتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ۔ یعنی اپنے قرابت داروں کو اُن کا حق دے دو، تو آپ نے حضرت زہرا (رضی اللہ عنہا) کو بُلا کر فدک ان کے حوالے کر دیا۔

۵۔ حضرت زہرا (رضی اللہ عنہا) نے پہلے ہبہ کا دعویٰ کیا، مگر جب دربارِ خلافت سے گواہوں کا مطالبہ ہوا، تو آپ نے حضرت علی، حضرات حسنین رضی اللہ عنہم اور امّ ایمن لونڈی کو بطورِ گواہ پیش کیا، مگر تاریخ اسلام کا یہ المناک واقعہ ہے کہ ان بزرگواروں کی شہادت کی رد کر دیا گیا، تب خاتونِ جنت (رضی اللہ عنہا) نے اپنے دعوے کا عنوان بدل کر فرمایا از روئے قانونِ وراثت دے دو اور یہ میرا حق ہے، جو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مجھے ماننا چاہیئے، مگر افسوس کہ حسبنا کتاب اللہ کہنے والوں نے خود ساختہ حدیث کے ذریعے حضرتِ زہراء رضی اللہ عنہا کو فدک سے کوئی چیز دینے سے انکار کر دیا

۶۔ حضرتِ زہراء (رضی اللہ عنہا) نے آیات پڑھ پڑھ کر اپنا حق ثابت کیا مگر اس کے جواب میں صرف ایک حدیث پیش کی گئی اور فدک دینے سے انکار کر دیا گیا، جس کا اثر حضرت زہرا (رضی اللہ عنہا) پر یہ ہوا کہ آپ نے مکمل بائیکاٹ کر دیا اور وصیت فرمائی ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) میرے جنازے میں شامل نہ ہوں۔

۷۔ بخاری و مسلم کی روایات سے عیاں ہے کہ حضرت زہرا (رضی اللہ عنہا) کی ایذاء اور ناراضگی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ایذاء ہے اور ان کی ناراضگی کی موجب ہے اور ان دونوں کی ناراضگی کا حکم قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے: إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا۔ آج اگر پیر صاحب ان حقائق پر پردہ ڈالیں، تو یہ ناممکن ہے۔ (رسالہ تنزیہ الامامیہ ص ۱۶۶ تا ص ۱۶۸)

نوٹ، مندرجہ بالا آیتِ کریمہ ڈھکو صاحب کے رسالہ میں یوں لکھی ہوئی ہے:

ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعلھم اللہ۔ تو کیا علامہ موصوف کے اس طرز و طریق کے مطابق ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس سے علامہ ڈھکو صاحب کی قرآن دانی پر تیز روشنی پڑتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر ہم تو علامہ موصوف سے تمام تر اختلاف کے باوجود اسی حُسنِ ظن سے کام لیں گے کہ وہ اتنے جاہل و بے خبر بھی نہیں کہ انہیں یہ آیت معلوم نہ ہو۔ بلکہ یہ کاتب کی لاعلمی اور کتابت کی غلطی ہے، تو کیا علامہ موصوف بھی حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے متعلق اسی طرح کے حُسنِ ظن سے کام لے سکتے ہیں اور اسی قسم کی دیانت و امانت کا مظاہرہ کر سکتے ہیں؟ قطعاً نہیں کیونکہ ضمیر ضمیر کے بھی کچھ تقاضے ہوا کرتے ہیں۔

تحفہ حسینیہ

ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی غفرلہٗ

علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب کے جوابات کا مطالعہ کر لینے کے بعد اب جوابات ملاحظہ فرما دیں اور انصاف و دیانت کے تحت خود ہی فیصلہ فرما دیں کہ حق و صداقت کس

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

طرف ہے اور یہ بھی دیکھیں کہ علما رشیعہ کے پاس شاعرانہ تخیل اور لفاظی کے سوا کیا ہے؟

جواب الاوّل: پہلے جواب کا تعلق رسالہ "مذہب شیعہ" میں مذکور مسائل اور ان کے باہمی ربط و تعلق سے ہے، جس پر ہم نے کلمۃ التقدیم میں تفصیل سے گفتگو کر دی ہے، لہذا وہاں پر ملاحظہ فرماویں۔ مختصر یہ کہ پہلے حضرات خلفار کے مناقب بیان کیے پھر ان کے مثالب کا جواب دیا تاکہ ان کے دامن عظمت پر اڑائی گئی یہ گرد و غبار لوگوں کی نظروں سے چھٹ جائے اور آفتاب حقیقت کھل کر سامنے آجائے۔

جواب الثانی: دوسرے جواب کا حاصل یہ تھا کہ جب فریقین کی مستقل اور ضخیم کتابوں سے مسئلہ فدک حل نہیں ہو سکا، تو پیر صاحب چند سطروں میں اس کو کس طرح حل کر سکتے ہیں؟ مگر اس جواب میں کوئی وزن نہیں، کیونکہ مسئلہ کو حل کرنے کی نیت ہو اور اہل اسلام کے باہمی اختلافات سے پہنچنے والے نقصانات کا احساس ہو اور باہمی اتحاد و اتفاق کی اہمیت و ضرورت پیش نظر ہو اور انفرادی منفعت کو قربان کرنے کا جذبہ دل میں بیدار ہو جائے تو واقعی چند سطروں بلکہ ایک جملہ میں ہی یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے، لیکن ؎ تم ہی اگر نہ چاہو تو باتیں ہزار ہیں

اس ضمن میں درج ذیل جملوں پر غور کر لیا جائے۔ عین ممکن ہے کہ ان میں سے ہر ایک جملہ رفع نزاع اور دفع خصومت کے لیے کافی ثابت ہو:

(۱) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا طرز عمل اور روش و رفتار اپنے دور حکومت و خلافت کیا تھی (۲) کیا آپ نے خلفار سابقین کے جور و ظلم کو برقرار رکھا اور ان کے ساتھ حصہ دار بن گئے۔ (۳) کیا فدک وغیرہ کی سابقہ حیثیت صرف خلفار سابقین کے معتقدین کو خوش رکھنے اور ہمنوا بنائے رکھنے کے لیے برقرار رکھی؟ (۴) کیا خلیفۂ وقت پر حقداروں کو ان کا حق مہیا کرنا لازم ہے یا نہیں؟؟ (۵) کیا امارت و خلافت حاصل ہونے پر بھی صحیح اسلامی احکام نافذ نہ کرنے والا عند اللہ مجرم ہے یا نہیں؟ (۶) اپنی دنیوی عزت و آبرو اور حکومت و سلطنت والے اعزاز و افتخار کو برقرار رکھنے کی خاطر اخروی گرفت اور مؤاخذہ کو نظر انداز کیا جا سکتا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہے؟ (۷) کیا حضرات حسنین کریمین اور اُن کی ہمشیرگان نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے ترکہ و وراثہ سے اپنا حصہ اور استحقاق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دیا تھا؟ (۸) حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بقولِ شیعہ فدک واپس کر دیا تھا، تو وہ واپس کیوں لیا گیا تھا، جبکہ اس پر سے اپنا استحقاق ختم کر دیا گیا تھا؟ (۹) حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فدک واپس کر دیا تو کیا ان کو خلافت ختم ہونے کا اندیشہ نہیں تھا، صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہی اندیشہ تھا؟ (۱۰) اگر مغصوب شے اہل بیت واپس نہیں لیتے تھے، تو خلافت کیوں لے لی وغیر ذالک (۱۱) فدک حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حق امام ہے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ امام المسلمین اور حاکمِ اسلام تھے۔ کما ذکر شیخ الاسلام قدس سرہ ـــــــ الغرض دیانتداری سے ایک ہی جملے میں غور و خوض کرنے سے یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے ؎

اگر در خانہ کس است، یک نکتہ بس است

جواب الثالث والرابع، علامہ صاحب نے کہا کہ پیر صاحب سیالوی کے اعتراف کے مطابق حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فدک کے واحد مالک تھے اور آپ کے بعد جو امام و خلیفہ ہو گا، وہی اُس کا مالک ہو گا، جبکہ یہ بھی مسلم کہ یہ مالِ غنیمت کے قسم سے نہیں تھا تاکہ سب اہلِ اسلام اس میں شریک ہوتے، لہٰذا ہم بانگِ دہل کہتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہی حق استعمال کرتے ہوئے فدک حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تھا، لیکن یہ جواب بوجوہ غلط ہے اور ناقابلِ اعتبار و اعتداد۔

ا: پیر صاحب سیالوی نے شیعی کتب کا حوالہ دے کر شیعی نقطہ نظر بیان کیا تھا کہ فدک ظاہری زندگی میں آپ کا حق تھا اور آپ کے بعد جو امام و خلیفہ بنا اس کا حق تھا۔ اب اس کو پیر صاحب کا نظریہ و عندیہ قرار دینا سراسر غلط ہے وہ تو شیعی عندیہ بیان فرما رہے تھے۔

ب: علاوہ ازیں اگر فدک پر خصوصی حق کو استعمال کرتے ہوئے آپ نے اس کو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دیا تھا، تو حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ روایت لغو اور باطل ٹھہری، کیونکہ بقولِ شیعہ امام حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، لہٰذا ان کو ملنا چاہیے اور بقولِ اہل السنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امام و خلیفہ تھے، لہٰذا ان کو ملنا چاہیے تھا، لیکن ان کی بجائے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو عطا ہو گیا، تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے چوتھی پشت میں پیدا ہونے والے فرزند ارجمند کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور کردار کے خلاف یہ استحقاق بیان کرنے کا کیا حق تھا؟ جبکہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی امامت کا کوئی فریق بھی قائل نہیں ہے، تو گویا جعفریوں نے اپنے امام کے قول کو ہی رد کر دیا۔

۲۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فدک کی انتظامی حیثیت واضح کر کے بتلا دیا کہ وہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی ملکیت نہیں تھا اور نہ اس میں وراثت جاری ہوتی، نہ کہ آپ کے بعد آنے والے امام اور خلیفہ کو اس میں تصرف کا حق حاصل ہوتا، لہٰذا علامہ موصوف نے اپنے مذہب کی مستند و معتبر کتاب میں امام عالی مقام حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے مندرج فرمان کو مہمل اور بے مغز بنانے کی ناکام کوشش کی ہے اور سراسر تلبیس اور دھوکہ بازی سے کام لیا ہے، جبکہ اس روایت کا صریح اور متبادر معنی و مفہوم یہی ہے کہ فدک اور جملہ اقسامِ انفال قومی ملکیت کے قسم سے ہیں اور حاکم وقت اس میں تصرف کرنے کا مالک ہوگا اور مصالح اہل اسلام میں خرچ کرنے کا جیسے کہ مالِ وقف کے متولی کا اس میں حق تصرف بھی ثابت ہوتا ہے، لیکن ذاتی ملکیت بھی نہیں ہوتی کہ جس کو چاہے اس جائیداد کا مالک بنا دے۔ اگر یہ صورت جائز ہوتی تو پھر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے اس فرمان ثم للامام بعدہ یضعہ حیث یشاء کا کیا معنیٰ رہ گیا، کیونکہ جب پہلا امام اور متولی جائیداد کا وجود ہی باقی نہ رکھے، اسے بیچ دے یا ہبہ کر دے، تو دوسرے کے لیے تصرف کہاں سے ثابت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہوسکے گا اور روایات کو ان کے صریح اور متبادر مفہوم سے بغیر کسی قطعی صارف کے پھیرنا اور تبدیل کرنا قطعی درست نہیں ہوتا۔

۳۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ علمائے شیعہ نے ابھی تک یہ سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تصرف قومی ملکیت سے تعلق رکھنے والے اموال بھی تھے اور آپ ان سے مجاہدین کی ضروریات اور آلاتِ جہاد اور سواریوں کی خریداری فرماتے تھے اور فقراء و مساکین پر اور وفود و اضیاف پر خرچ فرماتے تھے وہ ہر شے کی طرف صرف ذاتی ملکیت کے آئینہ ہی میں دیکھتے ہیں اور قبل ازیں بیان ہو چکا کہ فدک سے ازواجِ مطہرات اور دیگر اہل بیت کرام کے اخراجات پورے کرنے کے ساتھ ساتھ آپ اس سے جہاد کی تیاری میں مدد لیتے تھے اور اسی طریقہ مصطفوی کو اپنانے کا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عہد کیا اور آپ ان پر راضی ہو گئیں اور آپ کے ساتھ ان اموال کے مختص ہونے کا صرف یہ مفہوم ہے کہ مالِ غنیمت کی طرح مجاہدین کا اس میں حق نہیں۔ لہٰذا علامہ موصوف نے جو جواب بانگ دہل دیا، وہ ڈھول کی طرح کھوکھلا اور بے مغز ہے اور اسی کی طرح شور وشغب، اس کو ان کی مذہبی روایات جو شیخ الاسلام قدس سرہ نے ذکر کی تھیں، ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۴۔ علامہ صاحب نے دعویٰ کیا کہ جب آیتِ مبارکہ آتِ ذَا الْقُرْبیٰ حَقَّہٗ نازل ہوئی، تو آپ نے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کو بلا کر فدک ان کو ہبہ کر دیا تھا اور وثیقہ لکھ دیا تھا، لیکن فدک کا ہبہ کیا جانا اور آیتِ کریمہ کے اس کے ہبہ کرانے کے لیے نازل کیا جانا دونوں باتیں سراسر غلط اور خلافِ واقع ہیں۔

کیا فدک حضرت زہرا کو ہبہ کیا گیا تھا؟

۱۔ فدک کا حضرتِ زہرا رضی اللہ عنہا کو ہبہ کیا جانا محض دعویٰ ہے اور واقعات کی رُو سے قطعاً اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ ابن میثم بحرانی کے حوالے سے عرض کر چکا ہوں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کے ہبہ والے دعویٰ کے جواب میں فرمایا کہ تم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نے بھی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور امّ ایمن نے بھی سچ کہا اور حضرت عمر اور حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہما نے بھی سچ کہا۔ صورتِ حال واقعی یہ تھی کہ،

کان رسول اللہ یاخذ قوتکم ویقسم الباقی ویحمل منہ فی سبیل اللہ ولک علی اللہ ان اصنع کما کان یصنع فرضیت بذالک الخ (شرح ابن میثم بحرانی صکا ج ۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہماری روزی اور گزران کے مطابق اس سے لے کر تمہارے حوالے کرتے تھے اور باقی کو تقسیم فرما دیتے تھے اور اسی سے راہِ خدا اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے سواریوں کا بندوبست فرماتے تھے اور میں آپ کو اللہ ضامن دیتا ہوں کہ میں بھی اسی طرح اس کو تقسیم کروں گا جیسے کہ آپ تقسیم فرماتے تھے، تو آپ اس پر راضی ہوگئیں ـــــ جس سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ اسے ہبہ سمجھنا محض اس وجہ سے تھا کہ اس سے ضروریات کی کفالت ہوتی تھی اور حقیقتِ حال واضح ہونے پر ہبہ کا دعویٰ آپ نے ترک فرما دیا۔ نیز اگر ہبہ ہوچکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس میں اس طرح کے تصرّف فرمانے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی تھی کہ آپ کی اجازت کے بغیر اس سے جہاد کے لیے ضروری اسباب و آلات خریدنے اور دیگر مصارف میں خرچ فرماتے، یہ تصرّف اور تقسیم مقاصدِ ہبہ کے سراسر خلاف ہے۔

۲۔ اسی مضمون کی متعدد روایات بخاری شریف، مسلم شریف اور دیگر صحاح میں موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک کو اپنے تصرّف میں رکھا ہوا تھا بلکہ یہ تصریح بھی موجود ہے کہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے مطالبہ کے باوجود آپ نے فدک ان کے حوالے نہیں کیا تھا۔

(۱) عن مالک بن اوس بن الحدثان قال کان فیما احتج بہ عمر ان قال کانت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث صفایا بنو النضیر وخیبر وفدک فاما بنو النضیر فکانت حبسا لنوائبہ واما فدک فکانت حبسا لابناء السبیل واما خیبر فجزأھا رسول

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثۃ اجزاء جزاین بین المسلمین وجزء نفقۃ لاھلہ فما فضل عن نفقۃ اھلہ جعلہ بین فقراء المہاجرین۔ رواہ ابوداؤد)

حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اموال فیئ تقسیم کرکے ان کے حوالے کرنے اور باہمی اختلاف ختم کرانے کے مطالبہ پر) ان پر حجت قائم کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تین مخصوص اموال تھے بنو النضیر کا علاقہ، خیبر اور فدک۔ بنو النضیر والا علاقہ اپنے ضروریات کے لیے مخصوص تھا اور فدک مسافروں کی ضروریات کے لیے مختص تھا، لیکن خیبر کے تین حصے کر دیئے تھے، جن میں سے دو اہلِ اسلام کے درمیان تقسیم ہوتے تھے اور ایک تہائی اپنے اہل کے اخراجات کے لیے مخصوص تھا، تو اس میں سے جتنا قدر بچ جاتا اسے فقراء مہاجرین کے درمیان تقسیم فرماتے تھے۔

ب: قالت وکانت فاطمۃ تسئال ابا بکر نصیبھا ممّا ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من خیبر وفدک وصدقتہ بالمدینۃ فابیٰ ابوبکر علیھا وقال لست تارکًا شیئًا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعمل بہ الا انی عملت فانی اخشیٰ ان ترکت شیئًا من امرہ ان ازیغ۔ (بخاری شریف باب فرض الخمس جلد اوّل ص۴۳۵) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اپنے حصے کا مطالبہ کیا تھا، ان اموال سے جو رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑے تھے یعنی خیبر، فدک اور مدینہ منورہ میں صدقاتِ نبویہ تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انکار کیا اور کہا میں اس عمل کو ترک نہیں کر سکتا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے، بلکہ میں بھی اسی طرح کروں گا، کیونکہ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ اگر میں حضور اکرم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

صلی اللہ علیہ وسلم کے امر سے ذرہ بھر بھی ترک کروں گا، تو میں راہِ راست سے ہٹ جاؤں گا۔

ج: فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینفق علیٰ اھلہ نفقۃ سنتھم من ھٰذا المال ثم یاخذ ما بقی فیجعلہ مجعل مال اللہ فعمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذالک حیاتہ انشدکم باللہ ھل تعلمون ذالک قالوا نعم ثم قال لعلی وعباس انشدکما باللہ ھل تعلمان ذالک قال عمر ثم توفی اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ابوبکر انا ولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقبضھا ابوبکر فعمل فیھا بما عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واللہ یعلم انہ فیھا لصادق بار راشد تابع للحق الحدیث —

(بخاری شریف، ج ۱، ص ۴۳۶) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مال فیئ (فدک اور بنو نضیر اور خیبر) سے اپنے اہل کو سال بھر کا خرچ عطا کرتے تھے۔ پھر جو بچ جاتا اس کو اللہ تعالیٰ کے مال کی جگہ صرف فرماتے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل فرمایا اسی طریقہ پر اپنی ساری زندگی میں، میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے نام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم اس کو جانتے ہو؟ تو انہوں نے (حضرت عثمان، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا: ہاں! پھر حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا، "میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے نام کا واسطہ دیتا ہوں، کہ تم دونوں اس کو جانتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فوت کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی امر اور خلیفہ ہوں، تو آپ نے اس کو اپنے قبضے میں لیا۔ پس اس میں وہی روش اختیار فرمائی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنائی تھی اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ اس روش و رفتار اور عمل و کردار میں البتہ سچے محسن، راست رو اور حق کے تابعدار تھے الخ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ان تینوں روایات کو غور سے پڑھیں تو بالکل واضح ہوتا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ظاہری حیاتِ طیبہ میں فدک کو دوسرے اموالِ فئی کی طرح اپنے قبضہ او تصرف میں رکھا ہوا تھا اور اس کی آمدنی کو اپنی صوابدید کے مطابق خرچ کرتے تھے اور اس حقیقت کا اعتراف ان چھ حضرات نے بھی فرمایا، لہٰذا ہبہ کر دینے اور حوالے کر دینے کا دعویٰ ان حقائق کی رو سے قطعاً غلط ہے۔

ف : تیسری روایت میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے فدک پر متصرف اور قابض ہونے کی بھی وہی دلیل بیان کی گئی ہے جو حضرت شیخ الاسلام نے کافی کلینی کے حوالے سے ذکر کی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ثم للامام بعدہ یضعہ حیث یشاء کہ رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ مال امام اور خلیفہ کے زیرِ تصرف ہوگا، وہ اس کو اپنی صوابدید کے مطابق اہلِ اسلام کے مصالح اور ضروریات میں استعمال کرے گا، لہٰذا شیعہ و اہل سنت کی مستند ترین کتب اور معتمد ترین شخصیتوں کے اقوال سے فدک کے ہبہ ہونے کی بھی نفی ہو گئی اور اس کے ذاتی جاگیر و جائیداد ہونے کی نفی بھی واضح ہو گئی، تو جب کوئی اس کی ذات کا مالک ہی نہ ہو، بلکہ صرف اس کے حاصل کو مصالح عباد میں صرف کرنے کا حقدار ہو تو وہ اس کا کسی دوسرے شخص کو ازروئے شرع مالک بنا ہی نہیں سکتا، چہ جائیکہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شریعت کا خلاف کریں اور پھر اپنی لختِ جگر کے لئے۔ العیاذ باللہ

د۔ اسی ضمن میں مزید تصریح ملاحظہ فرماتے چلیں کہ حضرت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا نے تملیکِ فدک اور اس کے ہبہ کا مطالبہ کیا، لیکن آپ نے انکار فرما دیا

عن المغیرة بن شعبة قال ان عمر بن عبد العزیز حین استخلف جمع بنی مروان فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت له فدك فکان ینفق منها ویعود علی صغیر بنی هاشم ویزوج منها ایمهم وان فاطمة سألته ان یجعلها لها فابٰی فکانت کذالك فی حیٰوة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی مضیٰ لسبیله فلمّا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ان ولی ابو بکر عمل فیہا بما عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حیاتہ حتی مضیٰ لسبیلہ فلما ان ولی عمر بن الخطاب عمل فیہا بما عملا حتی مضیٰ لسبیلہ ثم اقطعہا مروان ثم صارت لعمر بن عبد العزیز فرأیت امرًا منعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ لیس لی فیہا بحق وانی اشہد کما انی رددتہا علیٰ ما کانت علیٰ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وصحبہ وسلم وعہد ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما رواہ ابوداؤد مشکوٰۃ باب الفیئ)

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے بنو مروان کو جمع کیا اور فرمایا کہ فدک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں تھا اور آپ اس سے ازواج مطہرات اور اہل وعیال پر خرچ فرماتے تھے۔ نیز بنو ہاشم کے یتامیٰ کی کفالت فرماتے تھے اور ان کی بچیوں کی شادی پر اس سے خرچ کرتے تھے اور حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا نے آپ سے اس کے متعلق مطالبہ کیا کہ ان کے لیے مختص فرمادیں اور مالک بنا دیں، تو آپ نے اس سے انکار فرمادیا، لہذا یہ فدک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ میں اسی حالت پر برقرار رہا، حتیٰ کہ آپ کا وصال ہوگیا۔ آپ کے بعد جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ والی بنے، تو انہوں نے بھی اپنی خلافت کے دوران تازیست وہی روش اور طریقہ اپنایا جو رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنایا تھا، حتیٰ کہ ان کا بھی وصال ہوگیا۔ بعدازاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کے متولی بنے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے طریقہ کے مطابق عمل کیا، حتیٰ کہ ان کا وصال ہوگیا۔ پھر مروان نے اس کو بطور جاگیر اپنے تصرف میں رکھا، پھر وہ عمر بن عبدالعزیز کے تصرف میں آگیا، یعنی مروان نے اپنے دور امارت و حکومت میں اس پر بطور ذاتی جاگیر قبضہ جمالیا اور پھر اس کی اولاد بطور وراثت اس پر قابض ہوگئی۔ تو میرا نظریہ وعندیہ یہ ہے کہ جو چیز رسول گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اپنی لختِ جگر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو نہیں دی تھی اور ان کے مطالبہ کو اس بارے میں پورا نہیں فرمایا تھا، تو میرا حق نہیں بنتا کہ میں اس کو ذاتی جاگیر کے طور پر اپنے تصرف میں رکھوں اور میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فدک کو اس کی اسی حالت میں لوٹا دیا ہے جس پر کہ وہ زمانۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں تھا۔

ف: ابوداؤد شریف کی اس روایت سے بھی واضح ہے کہ فدک آنحضرت کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیاتِ طیبہ میں آپ کے ہی تصرف میں رہا اور اس سے ازواجِ مطہرات اور اہل و عیال کے اخراجات کی کفالت کے ساتھ ساتھ بنو ہاشم کے یتامیٰ کی کفالت ہوتی تھی اور ان کی بچیوں کی شادی کے اخراجات پورے کیے جاتے تھے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوگیا کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے تملیک اور ہبہ کا مطالبہ کیا، لیکن رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پورا نہ فرمایا تو ان صحاح روایات سے جب ہبہ اور تملیک کی نفی ہو رہی ہے، تو علامہ موصوف کا بیانگِ دہل یہ اعلان کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک حضرت زہرا رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دیا تھا، ڈھول کی طرح کھوکھلا اور بے مغز دعویٰ ہے اور محض شور و شر۔

فدک کس کے سامنے ہبہ کیا گیا؟

ھ: اسی ضمن میں طبقات ابن سعد سے ایک روایت پیشِ خدمت ہے جس سے ہبہ کے دعویٰ کی مزید قلعی کھل جاتی ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے ساتھ عقیدت و محبت اور اخلاص و نیازمندی کا کامل اظہار بھی ہوتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خیبر، فدک اور صدقاتِ مدینہ کی وارث ہوں جیسے کہ تمہاری بیٹیاں تمہاری وفات کے بعد تمہاری وارث ہوں گی۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فقال ابوبکر ابوك والله خیر منی وانت والله خیر من بناتی وقد قال رسول الله صلی الله علیه وسلم "لا نورث ما ترکنا صدقة" یعنی هذه الاموال القائمة فتعلمین ان اباك اعطاکها فوالله لئن قلت نعم لاقبلن قولك ولاصدقنك قالت جاءتنی ام ایمن فاخبرتنی انه اعطانی فدك قال سمعته یقول هی لك؟ فاذا قلت قد سمعته فهی لك فانا اصدقك واقبل قولك قالت قد اخبرتك - طبقات ابن سعد، جلد ۲ ص ۳۱۲

تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا بخدا آپ کے والدِ گرامی مجھ سے بہتر تھے اور بخدا تم میری بیٹیوں سے بہتر ہو اور یقین جانئے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ہم کسی کو اپنے زیرِ تصرف اموال کا وارث نہیں بناتے۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے، یعنی اموال جو قائم اور باقی ہیں۔ کیا تمہیں اس امر کا قطعی علم ہے کہ تمہارے والدِ گرامی نے تمہیں یہ اموال اور یہ اراضی عطا کی ہیں؟ اگر تم اثبات میں جواب دو اور ہاں کہہ دو، تو میں آپ کا قول قبول کر لوں گا اور آپ کے دعوٰی کی تصدیق کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا میرے پاس ام ایمن آئی تھی اور اس نے مجھے بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک مجھے دے دیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کیا خود تم نے زبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ آپ نے فرمایا فدک تمہارا ہے؟ اگر تم اس طرح کہو کہ خود میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے، تو پھر فدک یقیناً تمہارے لیے ہے، میں آپ کے دعوے کی تصدیق کروں گا اور آپ کے فرمان کو قبول کروں گا۔ آپ نے فرمایا: میں نے صحیح صورتِ حال اور واقعہ کی اصلیت بتلا دی ہے (میری معلومات اس معاملہ میں بس یہی ہیں۔)

ف ۱، کیا اس طرح کی روایات کے موجود ہوتے ہوئے فدک کے ہبہ ہونے کا دعوٰی اور اس پر قبضہ و تصرف ثابت کیا جا سکتا ہے اور کوئی عقلِ سلیم اور فہمِ مستقیم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کا مالک یہ باور کر سکتا ہے کہ ہبہ کرنے والے نبیِ مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور ہبہ کیا جائے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا جیسی لختِ جگر اور بالنوتے مرتضیٰ کو۔ لیکن نہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو براہِ راست بتایا جائے اور نہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو، بلکہ صرف ام ایمن لونڈی کو ہی بطور رازداری اس حقیقت سے آگاہ کرنا تھا؟ لہٰذا یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکار ہو گئی کہ فدک کا نہ ہبہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے لیے پایا گیا تھا اور نہ ہی ان کو قبضہ دیا گیا تھا، جبکہ ہبہ بلا قبض مفید ملک ہوتا ہی نہیں۔

نیز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر گواہی رد کرنے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہ کو ناقابلِ اعتبار ٹھہرانے کے الزام و اتہام کی حیثیت بھی واضح ہو گئی کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ تو صرف ان کے اس قول پر بھی فدک دینے کو تیار ہیں کہ خود میں نے والدِ گرامی اور رسولِ معظم سے سُنا ہے کہ اے فاطمہؓ! فدک تمہارے سپرد ہے، لیکن آپ نے نہ اپنی طرف سے سننے کا دعویٰ کیا اور نہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے براہِ راست سننے کا دعویٰ۔ تو اس صورت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اس بہتان اور الزام تراشی کا کیا جواز رہ جاتا ہے؟

ف ۲ نیز حضرت زہراء رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وارث ہوں، جس طرح تمہاری وفات کے بعد تمہاری بیٹیاں تمہاری وارث ہوں گی، تو اسی ارشاد کو فدک میں قولِ فیصل کے طور پر تسلیم کر لیتے ہیں کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد فدک کی حضرت عائشہ، حضرت اسماء اور حضرت ام کلثوم اور بیٹے رضی اللہ عنہم وارث بنے تھے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا وارث بنی تھیں؟ جبکہ وہ بھی متولی فدک رہے، تو پھر حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے دعویٰ کی صداقت کو کون شخص چیلنج کر سکتا ہے؟ اور اگر وہ وارث نہیں بنیں اور یقیناً نہیں بنیں تو صورتِ حال واقعی واضح ہو گئی کہ وراثت کا تعلق ہو گا، تو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ذاتی جائیداد سے نہ کہ قومی ملکیت اور عام اہلِ اسلام کے حق سے، جن میں وہ بطور حاکم متصرف رہے۔ اسی لیے نہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیوں نے اس پر حق وراثت جتلایا اور نہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی نے اور یہی ان حضرات کا نقطۂ نظر رسولِ معظم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فدک میں تصرف کے متعلق ہے۔

ہبہ کی دلیل اور اس کی حقیقت

شیعہ اور سُنی مستند کتب کے ان حوالہ جات کو ملاحظہ کرنے کے بعد اور حضرت زید بن امام زین العابدین اور امام محمد باقر رضی اللہ عنہما کے ارشاداتِ عالیہ جن میں حضرات شیخین سے جور و ظلم کی نفی اور ان کے کتاب و سنت پر عمل درآمد کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، انہیں پڑھ لینے کے بعد اب علامہ ڈھکو صاحب کی دلیلِ ہبہ ملاحظہ فرماویں اور حقائق اور واقعات کے آئینہ میں اس استدلال کی لغویت اور بیہودگی ملاحظہ کریں اور علمائے شیعہ کی دیدہ دلیری دیکھیں کہ الزام کن بلند مرتبت ہستیوں پر ہے اور دلیل کی حیثیت کیا ہے؟ علامہ موصوف نے فرمایا: چنانچہ یہ آیتِ کریمہ اتری، وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ۔ یعنی قرابت داروں کو ان کا حق عطا کرو، تو آپ نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو بُلا کر فدک ان کے حوالے کر دیا۔ لیکن یہ دلیل بوجوہ تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ ضعیف اور کمزور ہے۔

اوّل: اس دلیل نے ہبہ کے دعوے کو ہی ختم کر دیا، کیونکہ ہبہ ہوتا ہے اپنے حق کا غیر کو تفویض کرنا اور آیت کریمہ بتلا رہی ہے کہ قرابت داروں کو ان کا حق دے دو تو جس حقدار کو اس کا ہی حق ادا کیا جائے، اُس کو ہبہ کہنا کس لغت اور عرف و اصطلاح میں درست ہوگا، لہذا اگر واقعی آیتِ مبارکہ کا شانِ نزول یہی ہے تو پھر ہبہ کا دعویٰ ہی غلط ہو گیا، کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حقدار کو اس کا حق دیا نہ کہ اپنا حق۔

دوم: علامہ ڈھکو صاحب کے جواب میں سراسر تعارض پیدا ہو گیا۔ ایک طرف

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تو فدک کو خالص اور مختص ملکیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلیم کیا جیسے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے فرمان سے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے ثابت کیا اور ڈھکو صاحب نے اسی کو بنیاد بناتے ہوئے کہا کہ ہم بہانگ دہل اعلان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسی حق کو استعمال کرتے ہوئے باغ فدک حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دیا تھا۔ اگر آپ اس کے واحد مالک تھے تو فدک آپ کا حق ہوا نہ کہ ذوی القربیٰ کا اور اگر ان کا حق تھا تو آپ اس کے واحد مالک کیسے بن گئے؟ لہٰذا اس آیت کریمہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واحد مالک ہونے کی نفی کر دی اور اس حق کو استعمال کر کے ہبہ کرنے کی بنیاد ہی ختم کر دی۔

سوم، اگر آیت نازل ہونے پر فدک حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے حوالے کر دیا گیا تھا تو ظاہر ہے اس پر قبضہ ان کا ہوگا اور محاصل کی مالک بھی وہ ہوں گی اور مزدور وغیرہ مقرر کرنا بھی ان کی اپنی صوابدید اور ذمہ داری، تو پھر وصال نبوی کے بعد نہ وراثت کا جھگڑا کھڑا ہو سکتا تھا اور نہ ہبہ ہونے کا بلکہ قبضہ اور ملکیت کی بحالی کا دعوٰی ہونا چاہیے تھا اور بے دخلی کے خلاف احتجاج ہونا چاہیے تھا اور جب اس طرح کا کوئی احتجاج نہیں پایا گیا تو واقعاتی شہادت نے علامہ موصوف کے استدلال کو لغو و باطل ٹھہرا دیا۔ نیز قبضہ وغیرہ ہوتا تو شہادت کے نصاب کے پورا نہ کر سکنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ مزدور اور کارکنوں کی کھیپ سے گواہی دلوائی جا سکتی تھی اور جب حضرت علی اور اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا کے علاوہ کوئی گواہ بھی نہ مل سکا، تو فدک پر قبضہ کر لینے کے بعد وہاں کام کرنے والے کدھر چلے گئے تھے، لہٰذا واضح ہو گیا کہ قبضہ اور تصرف قطعاً نہیں پائے گئے تھے بلکہ صرف اور صرف رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس پر قابض اور متصرف تھے، جیسے کافی کلینی، ابن میثم اور دیگر حوالہ جات سے یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے لہٰذا طبرسی کا یہ دعوٰی سراسر غلط ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی حکومت مستحکم کر لینے کے بعد حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ سے فدک چھیننے کا عزم کر لیا اور آپ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کے وکیل اور مختار عام کو وہاں سے نکال دیا، کیونکہ وہ وکیل یقیناً اتم امین۔ علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرا شخص ہی تھا اور یقیناً مسلمان بھی ہوگا تو اس کو ساتھ ملا کر نصاب شہادت تو پورا کر لیا جاتا، جبکہ باعتراف شیعہ نصاب شہادت پورا نہ ہونے کی وجہ سے دعویٰ ثابت نہ ہوسکا اور اسے خارج کر دیا گیا۔ نیز تعجب کی بات یہ ہے کہ بقول طبرسی شکایت تو تھی بے دخلی کی، لیکن مطالبہ آپ نے وراثت کا کر دیا۔ اصل عبارت احتجاج مطبع جدید ص ۹۱،۰۹ پر ملاحظہ فرمائیں:

چہارم: علامہ موصوف نے اور جملہ شیعی مفسرین نے اس آیت کریمہ کو فدک سے متعلق و مرتبط کر دیا ہے، لیکن تاریخی شہادت کی رو سے اس کو فدک سے مرتبط و متعلق کرنا سراسر غلط ہے، کیونکہ یہ آیت مبارکہ قرآن مجید میں دو جگہ وارد ہے اور دونوں سورتیں مکی ہیں، یعنی ہجرت سے قبل نازل ہونے والی جبکہ اس آیت کے مدنی ہونے کا بھی کسی نے قول نہیں کیا، تو جب یہ سورتیں بھی مکی اور اور یہ آیت بھی مکی اور ہجرت سے پہلے نازل ہو چکنے والی، تو اس وقت مکہ میں ہوتے ہوئے فدک ہاتھ کیسے آ گیا اور حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے حوالے کس طرح کر دیا گیا، جبکہ فدک ہجرت کے بعد ساتویں سال میں فتح خیبر کے موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ و تصرف میں آیا۔ علماء اہل السنت کی طرف سے بار بار اس دلیل میں یہ سقم اور وجہ بطلان بیان کرنے کے باوجود نہ شیعہ حضرات اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں اور نہ اس گھسی پٹی دلیل بلکہ شبہ اور مغالطہ کو ترک ہی کرتے ہیں۔

نیز ہجرت سے قبل حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی عمر اتنی تھی کہ فدک پر قابض ہو کر اس میں تصرف کر سکتیں، کیونکہ عند الشیعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج شریف سے لوٹنے پر حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے خمیر کا استقرار حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے رحم میں ہوا، پھر مدت حمل پوری کر کے پیدا ہوئیں تو معراج اور ہجرت کے درمیانی عرصہ میں آخر حضرت سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کی عمر شریف اتنی ہو ہی کب سکتی ہے کہ وہ قابض اور متصرف ہوں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اتنی صغیر سن صاحبزادی کو خود کفیل بنانے کی کوشش فرمائیں، یہ کیسے ممکن ہے؟

سوال: کسی سورت کے مکی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی ہر آیت بھی مکی ہو، کتنی سورتیں مکی ہیں، مگر ان کی بعض آیات مدنی ہیں، لہٰذا ممکن ہے کہ یہ آیت بھی مدنی ہو؟

جواب: مکی اور مدنی کا فیصلہ محتاج نقل ہے عقلی امکانات اور احتمالات تو یہاں کارآمد نہیں، لہٰذا صریح نقل پیش کی جائے کہ یہ آیت مدنی ہے۔ اگر بعض سورتوں کے مکی ہونے کے باوجود ان کی بعض آیات مدنی ہیں، تو علماء اعلام نے ان کی تصریح کر دی ہے کہ فلاں فلاں آیت مدنی ہے اور اس میں اتفاق و اختلاف کی بھی تصریح کر دی جاتی ہے، لیکن علماء شیعہ کی بدقسمتی یہ ہے کہ اس آیت میں مدنی ہونے کا کوئی حوالہ اور قول موجود نہیں۔

سوال: ہو سکتا ہے آیت نزول کے لحاظ سے تو مکی ہو، لیکن حکم کے لحاظ سے مدنی ہو، یعنی عمل در آمد کا لزوم مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد ہوا اور اس طرح کی بھی کئی آیات ہیں کہ نازل تو قبل از ہجرت ہوئی تھیں، لیکن عمل درآمد ان پر مدینہ منورہ میں پہنچنے کے بعد ہوا تو یہاں بھی یہی صورت ممکن ہے؟

جواب: اتنے اہم معاملہ میں جس کی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کو ظالم و غاصب وغیرہ کہہ دیا جائے اور ان کے اخلاص بلکہ ایمان کو بھی نشانہ بنا دیا جائے اور تمام صحابہ کرام کو بھی ان کی ہمنوائی کی وجہ سے مورد طعن و تشنیع بنا دیا جائے، اس میں یمکن اور یحتمل سے کام لینا اور عقلی امکان و احتمال پر دعوی کی بنیاد رکھنا قطعاً قابل قبول نہیں، اس پر قوی دلیل پیش کرنی لازم ہے۔

نیز علامہ موصوف نے دعوی ہی یہ کیا کہ جب آیت مبارکہ آتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ اتری، تو آپ نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو بلا کر فدک ان کے حوالے کر دیا اور عطیہ عوفی والی روایت جو اس ضمن میں پیش کی جاتی ہے، اس میں بھی یہی تصریح ہے کہ آیت کریمہ کے نازل ہوتے ہی اس پر عمل درآمد کرتے ہوئے فدک حوالے کر دیا گیا، لیکن اس توجیہ و تاویل کو تسلیم کرنے سے شیعی علماء کا یہ دعوی بھی غلط ہو جائے گا اور عطیہ عوفی کا یہ عطیہ بھی ان کے ہاتھ سے نکل جائے گا، لہٰذا اس توجیہ و تاویل کا کوئی جواز نہیں ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پنجم: قرابت داروں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں اور چچے اور چچا زاد بھائی بھی تھے تو صرف حضرت زہراء کو فدک دے کر آپ اللہ تعالیٰ کے اس امر اور حکم سے کس طرح عہدہ برآ ہو گئے، بلکہ یہ تو سراسر ناجائز تفریق اور تقسیم ٹھہری اور دُنیا میں عدل و انصاف کی مستحکم بنیاد رکھنے والے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کی ناانصافی کیونکر سرزد ہو سکتی تھی؟ علی الخصوص جبکہ صاحبزادیوں کے رشتے میں یکسانیت تھی اور وہ سبھی حقیقی صلبی اور سگی بہنیں تھیں۔ کما ہو المذہب المحقق عند الشیعہ ایضًا۔

شبہ: ذوالقربیٰ واحد کا صیغہ ہے، لہٰذا اس میں سبھی قرابت دار کیونکر داخل ہو سکتے ہیں؟ **جواب:** یہاں وحدتِ نوعی اور صنفی مراد ہے، لہٰذا وحدتِ کلمہ کے باوجود ان سب افراد کو شامل ہو گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبی قرابت میں شامل ہیں اور قرآن مجید میں متعدد جگہ اس کو کلمۂ عموم کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ذوالقربیٰ مذکر کا لفظ ہے۔ اگر مؤنث میں استعمال کرنا ہو تو ذات کا لفظ استعمال کرتے ہیں، مثلاً کانت زینب ذا جمال نہیں کہا جائے گا بلکہ ذات جمال کہا جائے گا، تو اندریں صورت اس سے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی بجائے کوئی قرابت دار مرد ہی مراد ہو سکتا ہے نہ کہ آپ کی ذاتِ مطہرہ تو اس طرح شیعہ حضرات کا مدعا خود ان کی توجیہ و تاویل کے تحت باطل ہو گیا۔

سوال: ہبہ فدک کی روایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے واسطے سے مروی و منقول ہے اور اسے تفسیر درمنثور میں بحوالہ بزار، ابویعلیٰ، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نقل کیا گیا ہے، تو شیعہ کی کتبِ تفاسیر کے علاوہ حضرات اہل السنت کی کتبِ حدیث میں بھی جب یہ روایت مل گئی، تو پھر انکار کی وجہ کیا ہے؟

جواب: اہل السنت کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ ان کی کتبِ احادیث میں مروی و منقول ہر روایت صحیح ہے اور قابلِ استدلال بلکہ ان کے ہاں درجہ بندی ہے اور صحاح ستہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کے معارض اور مقابل کوئی روایت قابلِ استدلال نہیں ہوگی جیسے بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت کے مقابل دوسری صحاح کی روایات بھی قابلِ قبول نہیں ہوں گی اور خود علمائے شیعہ بھی کتبِ حدیث اور ان میں مندرج روایات کی درجہ بندی کے قائل ہیں اور علامہ ڈھکو صاحب نے تو ببانگِ دہل کہا ہے کہ ہم اپنی صحاح اربعہ کے بھی تمام مندرجات کی صحت تسلیم نہیں کرتے، تو جب یہ حقیقت دونوں فریق کو تسلیم ہے کہ تمام کتبِ حدیث کی تمام روایات کا صحیح ہونا ضروری نہیں اور یہ بھی ثابت ہو چکا یہ روایت بخاری شریف، مسلم شریف اور ابوداؤد شریف کی صریح روایات کے خلاف ہے تو لہٰذا اس کو بطورِ استدلال پیش کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ علی الخصوص جبکہ اس آیتِ کریمہ کا اور اس کی سورتوں کا مکی ہونا مسلّم ہے اور مکی زندگی میں آپ کو اپنی قریبی برادری اور قریش اپنے گھر میں بھی آرام اور سکون کے ساتھ نہیں رہنے دے رہے تھے تو ان دنوں میں آپ نے وہ فدک حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے حوالے کیسے کر دیا؟ جہاں آپ نے ابھی تک تبلیغِ رسالت کے لئے بھی قدم نہیں رکھا تھا، چہ جائیکہ بطورِ فاتح اور ناقابلِ شکست لشکر کے سپہ سالار کے، لہٰذا اس روایت میں نہ ازروئے عقل کوئی وجہ صحت ہے نہ ازروئے نقل، کیا کسی کو دین و دیانت، ایمان و امانت یہ اجازت دیتے ہیں کہ ایسے مقتدایانِ انام اور اسلام کی بزرگ ترین ہستیوں پر اس قسم کی بے بنیاد روایات کے ذریعے اعتراض و تنقید کا سلسلہ شروع کر دیا جائے اور ان کے ایمان و ایقان اور اخلاص و نیک نیتی پر طعن و تشنیع سے کام لیا جائے

سوال: یہ روایت صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور ان کو خلفائے ثلاثہ کے ساتھ کوئی ذاتی پرخاش بھی نہیں تھی، تو پھر اس کے قبول کرنے میں تامل کیوں؟

جواب: روایت کی صحت کا دارومدار صرف پہلے راوی پر نہیں ہوتا، بلکہ ازروئے متن صحت کا دارومدار اس پر ہے کہ دوسری صحیح ترین روایات کے خلاف نہ ہو اور ازروئے سند تمام راویوں کے مسلمان، عاقل، بالغ، حافظ، ضابط

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہونے پہ دارو مدار ہوتا ہے اور ایسی بدعت سے منزّہ و مبرّا ہونے پر جس کا اثبات یا جس کی تائید و تقویت اس روایت سے ہوتی ہو۔ اگر محض پہلے شخص کو دیکھیں تو پھر صحابہ کرام کی بجائے اصل قول اور فرمان تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر کیا جاتا ہے، لہٰذا کوئی روایت و حدیث موضوع، منکر اور ضعیف نہیں ہونی چاہیے نیز شیعہ حضرات کی کتب حدیث میں ہر روایت کسی نہ کسی امام کی طرف منسوب ہے اور وہ ان کے عقیدہ میں معصوم ہیں، جن سے غلط اور خلاف واقع قول اور فعل کا سرزد ہونا ممکن ہی نہیں، تو پھر وہ سب صحیح تسلیم کی جانی چاہئیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ تمام راویوں کو بھی مدنظر رکھنا اور ان کے عقائد و نظریات کو معلوم کرنا اور ان کی ذاتی دلچسپیوں اور قلبی میلان اور ذہنی رجحان پر نظر رکھنی ازحد ضروری ہے اور اس روایت کی سند میں جو راوی ہیں، ان میں عطیہ عوفی بھی ہے جو سخت غالی شیعہ ہے، اس لیے بھی یہ قابلِ قبول نہیں ہے، جیسے کہ از رُوئے متن ناقابلِ قبول ہے۔

عطیہ عوفی : میزان الاعتدال صفحہ ۲۰/۲ میں علامہ ذہبی نے اس کے متعلق فرمایا: ابو حاتم نے کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے اور سالم مرادی نے کہا ہے کہ عطیہ عوفی میں تشیع ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا ضعیف الحدیث ہے اور ہشیم اس پر جرح و تنقید کرتے تھے اور امام احمد فرماتے ہیں:

بلغنی ان عطیۃ کان یاتی الکلبی فیاخذ عنہ التفسیر کان یکنیہ بابی سعید فیقول قال ابو سعید۔

مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ عطیہ کلبی کے پاس آتا تھا اور اس سے تفسیری اقوال اخذ کرتا تھا اور اس کو ابو سعید کی کنیت دے کر کہتا کہ ابو سعید نے یوں کہا ہے۔

ذہبی فرماتے ہیں یعنی یوھم انہ الخدری کہ اس کا مقصد اس سے یہ ہوتا تھا کہ اس کنیت کے ذریعے اس قول کو صحابیِ رسول ابو سعید خدری کا قول بنایا جا سکے اور لوگوں کو دھوکا دیا جا سکے۔ قال النسائی وجماعۃ ضعیف۔ نسائی اور محدثین کی ایک جماعت نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نوٹ: درِ منثور میں بھی قولِ باری تعالیٰ آتِ ذا القربیٰ کی تفسیر میں عطیہ عوفی کی یہ روایت منقول ہے، تو امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول سے اس کی حقیقت واضح ہو گئی کہ در اصل مفسر کلبی کا قول ہے اور اس کو ابو سعید کہہ کر یہ روایت کی گئی اور غلط فہمی پیدا کر کے اسے صحابیٔ رسول قرار دے دیا گیا اور کلبی کا حال پہلے بیان ہو چکا، لہٰذا ایسے جھوٹے راوی اور ضعیف، بلکہ جھوٹی روایت کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟

جوابِ الخامس، علامہ موصوف نے پانچواں جواب یہ دیا تھا:

۱۔ کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی طرف سے ہبہ کا دعویٰ دائر کیا گیا تھا۔

۲۔ جب گواہوں کا مطالبہ ہوا تو آپ نے حضرت علی، حضرات حسنین رضی اللہ عنہم اور حضرت امِ ایمن رضی اللہ عنہا کو بطورِ گواہ پیش کیا۔

۳۔ مگر تاریخ اسلام کا یہ المناک واقعہ ہے کہ ان بزرگواروں کی شہادت کو رد کر دیا گیا۔

۴۔ شہادت رد ہونے پر آپ نے دعویٰ کا عنوان بدل کر از روئے قانونِ وراثت اپنے استحقاق کا دعویٰ کیا۔

۵۔ حسبنا کتاب اللہ کہنے والوں نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی پیش کردہ آیات کے جواب میں صرف ایک خود ساختہ حدیث پیش کی۔

تو اب اس جواب کی پانچوں شقوں کا بالترتیب جواب حاضرِ خدمت ہے:

شق اوّل کا جواب یہ ہے کہ دعوائے ہبہ کا دارومدار عطیہ عوفی کی روایت پر ہے اور وہ ناقابلِ اعتبار ہے اور اس روایت کا متن دیگر صحاح کے خلاف لہٰذا علامہ موصوف کا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے جس پر کوئی صحیح اور قابلِ اعتماد دلیل ہی قائم نہیں ہو سکتی اور اس شق پر مفصل بحث سابقہ صفحات میں تحریر ہو چکی ہے۔ پھر اس پر غور فرمالیں۔ علامہ عینی نے عمدۃ القاری ج ۱۵، ص۱۵ پر تحریر فرمایا: هٰذا لا اصل له ولا يثبت به رواية انها ادعت ذالك وانما هو امر مفتعل

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لا یثبت۔ دعویٰ ہبہ کی کوئی بنیاد اور اصل نہیں ہے اور نہ اس کے متعلق کوئی روایت ثابت ہے کہ آپ نے ہبہ کا دعویٰ کیا اور یہ صرف اور صرف من گھڑت قول ہے جس کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں۔

شق دوم کا جواب یہ ہے کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا جب فدک پر عرصہ دراز سے قابض تھیں اور آپ کے کارندے بھی وہاں کام کرتے تھے، تو پھر صرف خاوند اور اولاد اور خادمہ کی شہادت پر اکتفاء ہی کیوں کیا گیا۔ اول تو بقول شیعہ فدک بڑا وسیع وعریض علاقہ تھا، تو وہاں پر سینکڑوں نہیں تو بیسیوں کارندے موجود ہوں گے اور اگر بالفرض ایک ہی تھا، جیسے کہ علامہ طبرسی نے کہا، بعث الی فدک من اخرج وکیل فاطمۃ بنت محمد رسول اللہ منہا۔ (احتجاج طبرسی صفحہ ۹۰) کہ ابوبکر نے استحکام خلافت کے بعد آدمی فدک کی طرف بھیجا جس نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے وکیل اور مختار عام کو وہاں سے نکال دیا۔

تو ظاہر ہے کہ وہ مخلص مومن بھی ہوگا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت اور صلاح ومشورہ سے بھی بھیجا گیا ہوگا تو اسے ساتھ ملا کر نصاب شہادت کو پورا کرنے کی کوشش کیوں نہ کی گئی؟

ب: نیز حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو ہبہ فدک کے گواہوں میں شامل کرنے کا عقلی اور شرعی جواز کیا ہے؟ ایک طرف تو قول باری تعالیٰ آتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ کے نزول پر فدک کے ہبہ کا دعویٰ کیا گیا اور وہ آیت مکی ہے، اس وقت حضرات حسنین کریمین موجود ہی کب تھے؟ جبکہ حضرت زہراء کا حضرت علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہما) کے ساتھ عقد تزویج ہی ہجرت کے دوسرے سال ہوا تھا، اور نزول آیت سے ربط وتعلق سے قطع نظر فدک پر آپ کا قبضہ سات ہجری کو ہوا تو اگر اس وقت ہبہ کیا گیا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر شریف اس وقت تقریباً چار سال ہوئی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تقریباً تین سال، تو اس عمر کے بچوں کو چشم دید گواہ بنانے کا کیا مطلب؟ اور جب ان کو ادائیگی شہادت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کے لیے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بقولِ شیعہ لایا گیا تو ان شہزادوں کی عمر شریف تقریباً سات اور چھ سال بنتی ہے، تو کیا ازروئے قواعد اور اصول شہادت اس عمر کے بچے گواہی دے سکتے ہیں؟ جبکہ قرآن مجید فرماتا ہے۔

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ (الآیۃ) یعنی اپنے مردوں میں سے دو مرد گواہ بناؤ اور اگر دو مرد نہ موجود ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تو علماء شیعہ بتلائیں کہ اس قدر صغیر السن بچوں کو اس نصِ قرآنی کے مطابق مردوں میں شمار کیا جائے گا یا ام ایمن کے ساتھ ملا کر دو عورتوں کی تعداد پوری کی جائے گی؟ اے علماء شیعہ! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عداوت والا مرض مزمن اور لا دوا، تمہاری مجبوری سہی، مگر عقل و دانش کی اس قدر دشمنی تو نہیں ہونی چاہیے تھی۔ آخر یہ اصول اور قواعد اسلام ہوئے اور ناقابلِ نسخ دین کے ضوابط و قواعد ہوئے یا بچوں کا کھیل؟

ج: کیا قرآن مجید کے اس عام حکم سے اہل بیت کرام مستثنیٰ ہیں، وہ دعویٰ کریں، تو دلیل و ثبوت اور شہادت سرے سے ضروری ہی نہیں یا صرف نصاب شہادت کی تکمیل ان کے لیے ضروری نہیں اور وہ شرعی پابندیوں سے بالاتر ہیں؟ اس استثناء پر کیا دلیل ہے؟

د: یہ مُسلّم کہ ام ایمن رضی اللہ عنہا جنتی عورت ہیں اور حضرت امیر المومنین جنتیوں کے بھی عظیم سرداروں میں سے ہیں، لیکن کیا یہ شرعی پابندیاں اور احکام جنتیوں کے لیے نہیں، صرف دوزخیوں کے لیے ہیں اور مومنین کے لیے نہیں، کفار کے لیے ہیں؟ صلحاء و اتقیاء کے لیے نہیں، صرف فساق و فجار کے لیے ہیں؟ جب یہ احکام اہلِ اسلام کے لیے ہیں اور متقیوں اور پاکبازوں کو بھی شامل ہیں تو پھر اس حیلہ گری کا کیا جواز ہے؟

ھ: کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے والد گرامی کے بیان کردہ اصول و قوانین اور قواعد و ضوابط میں لچک پیدا نہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کر کے اور انہیں اپنے عموم پر رکھ کر جُرم کیا تھا کہ اس کو تاریخ اسلام کا المناک واقعہ قرار دیا جائے، بلکہ اسے تو اسلامی تاریخ کا سنہری اور نورانی واقعہ قرار دینا چاہیے اور لائق تقلید مثال اور نمونہ، گرِ کلیسا کی طرح جس نے پوپ پال کو حدود و قیود شرع سے مستثنیٰ قرار دے دیا اور اسے خدائی اختیارات کا مالک قرار دے دیا۔ اگر اسلام بھی امراء و سلاطین اور اکابرین ملت کو مستثنیٰ قرار دے دیتا تو اسے کیا امتیاز حاصل رہتا، بلکہ اسلام نے ایسے تصورات کو حرفِ غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیا ہے، لہٰذا ایسے بے لاگ اور رُو رعایت سے منزہ و مبرّا اصولوں پر عملدرآمد کو المیہ قرار دینا اسلام کے سنہری اصولوں کے نسخ و مسخ کرنے کی ناپاک سعی ہے۔ اگر صاحبِ شرع خدا داد اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے کسی جزوی واقعہ میں استثناء کر دیں تو وہ علیحدہ امر ہے۔ امراء اسلام کو بہرحال یہ حق حاصل نہیں ہے۔

۹ : حضرت زہراء رضی اللہ عنہا نے جب دربارِ صدیقی میں دعویٰ دائر کیا تھا تو ان کے حکم اور فیصلہ کو ماننا لازم تھا اور علی الخصوص جب کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا مطالبہ شرعی قواعد و ضوابط کے عین مطابق تھا، اسی لیے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا ہبہ کے دعوے سے دستبردار ہوگئیں اور دوسرا دعویٰ دائر کر دیا، لیکن ڈھکو صاحب پر تعجب ہے کہ اس نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو مخالف شرع ثابت کرتے ہوئے اُن کی بجائے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو مخالفِ شرع ثابت کر دیا۔ کیونکہ وہ اس دعویٰ سے دستبردار نہیں ہوتیں اور قواعدِ شرع کے مطابق اس کا اثبات بھی نہیں کرتیں تو العیاذ باللہ وہ خود مخالف شرع ٹھہریں اور اگر دستبردار ہو چکی تھیں تو ڈھکو صاحب کا اس کو المیہ قرار دینا لغو و باطل ہو گیا، بلکہ یہ عدالتِ صدیق کا اور اہلِ بیتِ رسول کے قبولِ حق کا سنہری اور روشن نمونہ ٹھہرا اور قابلِ تقلید مثال قائم ہو گئی۔

سوال : یہ سچ ہے کہ قرآن مجید میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن ہر علم میں سے بعض استثناءات بھی ہوتے ہیں تو حضرت زہراء اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو بھی مستثنیٰ قرار دے دیا جاتا، جس طرح حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دے دیا گیا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جواب: عام اپنے عموم میں قطعی ہوتا ہے اور اسے اپنے عموم پر رکھنا لازم ہوتا ہے۔ اگر اس کا عموم ختم کر دیں اور اپنی مرضی سے استثنا اور تخصیصات شروع کر دیں تو شرعی آئین اور قوانین کھیل بن کر رہ جائیں گے، لیکن عدلِ اسلامی اور اس کا امتیازی شان ہی یہ ہے کہ اس میں ایسی تفریق نہیں ہے اور اگر کسی بڑے آدمی کی بات واجب التسلیم ٹھہرے خواہ خواہ وہ اکیلا ہی کیوں نہ ہو تو پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جتنا بڑا اس وقت کون تھا، پھر ان کی یہ بات بلکہ اُن کی نقل کردہ حدیث کیوں تسلیم نہیں کی جاتی اور آج تک ان کو موردِ طعن و تشنیع کیونکر بنا لیا گیا ہے۔

رہا معاملہ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کا تو ان کا استثنا خود صاحبِ شرع نے کیا ہے، امت اُن کو تو پابند نہیں کر سکتی تھی، وہ خود احکام میں تحریم و تحلیل اور تعمیم و تخصیص کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختار و ماذون تھے۔ اُمت مختار نہیں، بلکہ امت ان کے احکام کی پابند ہے عام ہوں تو بطورِ عموم اور مطلق ہوں تو بطورِ اطلاق۔

سوال: خود ابوبکر صدیق نے حضرت جابر (رضی اللہ عنہا) کا دعویٰ تسلیم کیا اور ایک گواہ بھی ان سے طلب نہ کیا تو آخر یہ پابندی صرف حضرت زہرا (رضی اللہ عنہا) اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی شہادت میں ہی ضروری تھی، دوسروں کے حق میں نہیں تھی؟

جواب: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ دعویٰ ہے کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کا مال آنے پر عطا کرنے کا وعدہ کیا تھا، وہ علیحدہ امر ہے، کیونکہ وہ صرف مال بحرین کے مصرف کا معاملہ ہے اور ایسے اموال جو بطورِ صدقات وغیرہ وصول کر کے مرکز میں بھیجے جاتے تھے، وہ خرچ ہی اہلِ مدینہ پر ہوتے تھے اور ان کی حاجات و ضروریات ان سے پوری کی جاتی تھیں اس میں گواہ نہ بھی ہوتے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے کا حوالہ نہ بھی دیا جاتا اپنے طور پر کہہ دیتے میں ضرورت مند ہوں، مجھے عطا کر دو تو بھی خلیفہ انہیں دینے کے پابند ہوتے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کو اخراجات کے لیے مطالبہ کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے طور پر عرض کیا کہ میں اللہ تعالیٰ ضامن دیتا ہوں کہ تمہارے جملہ اخراجات اور ضروریات کو پہلے پورا کروں گا اور جو بچے گا، وہ دوسرے مصارف میں استعمال کروں گا، نہ دعویٰ کی ضرورت نہ گواہوں کی حاجت۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لیکن بقولِ شیعہ سبہ کا دعویٰ خلاف ظاہر تھا اور عمل مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اور انفال وفیٔ کے قرآنی احکامِ ظاہرہ کے بھی خلاف اور اس سے متعلق خلیفۂ وقت کے علم اور مشاہدے کے بھی خلاف تھا۔ اس لیے اگر آپ نے ثبوت طلب کر لیا، تو کونسا جرم کیا۔ مزید تسلی کے لیے شق سوم کا جواب ملاحظہ ہو۔

شق سوم کا جواب شق دوم میں آ چکا ہے، لیکن مزید توضیح کے لیے درج ذیل امور ذہن میں رکھنے ضروری ہیں :

(ا) اس تحقیق و تفتیش کو ردِ شہادت سے تعبیر کرنا علامہ صاحب کی سینہ زوری ہے، کیونکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امِ ایمن رضی اللہ عنہا کو جھوٹا اور غلط بیانی کرنے والا تو کسی نے نہیں کہا تاکہ اس کو ردِ شہادت سے تعبیر کیا جاتا البتہ نصابِ شہادت کے کامل نہ ہونے پر دعویٰ کو خارج کر دینا تو اسے کہہ سکتے ہیں ردِ شہادت تب کہتے جب شہادت عند الشرع پائی بھی جاتی۔

(ب) پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم گواہ بھی پیش نہ کرو، صرف اپنی زبان سے اتنا کہہ دو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا ہے کہ فدک تمہارا ہے تو میں آپ کے حوالے کر دیتا ہوں، لیکن آپ نے کہا نہیں مجھے تو امِ ایمن نے بتلایا تھا کما فی طبقات بن سعد اور ابن میثم کے حوالے سے گزر چکا کہ آپ نے کہا تم بھی سچی ہو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی سچے اور امِ ایمن بھی مگر صورتِ حال واقعی یہ تھی کہ فدک سے تمہارے قوت اور روزی کی کفالت ہوتی تھی جیسے کہ حضرت عمر اور حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہما نے محاصل کی تقسیم پر گواہی دی ہے اور وہ بھی سچے ہیں، لہٰذا اندریں صورت بھی اس کو ردِ شہادت کہنا اور تاریخ اسلام کا المیہ قرار دینا سراسر لغو اور باطل ٹھہرا، بلکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے اقوال کا محمل اور صحیح مقام متعین فرمایا اور تمام بزرگواروں کے اقوال میں موجود تعارض کو دور کر کے دونوں کو سچا بنا دیا، ورنہ ایک فریق کے قول کو غلط کہنا پڑتا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

شق چہارم کا جواب: علامہ موصوف نے کہا کہ دعوائے ہبہ رد ہونے پر آپ نے عنوان بدل کر وراثت کے قانون کے تحت فدک کی حقداری کا دعویٰ دائر کر دیا، لیکن یہ قول بھی سراسر مغالطہ آفرینی پر مبنی ہے اور شیعی روایات اور سُنّی روایات سے اس تبدیلی اور تعبیرِ عنوان کا ثبوت نہیں مل سکتا اور یہ بھی انمل، بے جوڑ اور بے ربط دعویٰ ہے۔

ا۔ وراثت کا دعویٰ مورث کے ترکہ میں کیا جا سکتا ہے اور جب آیتِ کریمہ کی رُو سے وہ حق بھی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا تھا، تو پھر وراثت کا دعویٰ کیسا؟ اور اگر وراثت کا دعویٰ کیا تھا، تو آیتِ کریمہ کا فدک کے متعلق نزول کیونکر قابلِ قبول ٹھہرا؟ نیز آپ نے ہبہ کو اس آیت سے کیوں نہ ثابت کیا، وراثت کے لئے تو آیات پیش فرمائیں لیکن ہبہ کے حق میں وارد یہ آیت بالکل پیش نہ کی، جبکہ اسکے ہوتے ہوتے شہادت پیش کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

ب۔ احتجاج طبرسی وغیرہ کے مطابق حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے فدک پر قبضہ کیا ہوا تھا اور آپ کے محصل اور مختارِ عام وہاں موجود تھے، جن کو ابوبکر نے وہاں سے نکال دیا، تو اندریں صورت فدک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ ہی نہ تھا، اس میں کونسا قانونِ وراثت جاری ہو سکتا تھا تاکہ دعوائے ہبہ سے عدول کر کے یہ دعویٰ کیا جاتا، بلکہ اس صورت میں ناجائز بے دخلی اور غصب وغیرہ کا قول کیا جاتا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ تو مدعیٰ علیہ تھے، ان کے ساتھ ثالثی فیصلہ کے لیے کوشش کی جاتی، جس طرح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تحکیم قبول کرنا پڑی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی اس پر مجبور کر لیا جاتا نیز فدک اور غیر فدک میں مال فیئ یا انفال سے ہونے کے باوجود قبضہ کے فرق کو اپنی ذاتی جائیداد اور جاگیر ہونے کا بیّن بُرہان بنایا جاتا، کیونکہ دوسرے اموال پر قبضہ مصطفوی ہونا اور فدک پر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا قبضہ ہونا آخر بے سبب تو نہیں سکتا تھا؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ج۔ ہبہ کے دعوے میں ذاتی ملکیت کا اقرار پایا گیا اور وراثت کے دعوے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت کا اقرار و اعتراف پایا گیا اور ان دونوں میں سراسر تخالف اور تضاد ہے۔ ایک دعوے میں کئی سال پیشتر رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ملک سے باہر ہونے کا اقرار اور پھر وراثت کے طور پر مستحق ہونے کا ادعاء گویا اپنے آپ کو جھٹلانے کے مترادف ہے جو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے لیے کیونکر قابلِ قبول ہو سکتا ہے اور اگر الزام اور جدل کے طور پر ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس مال کو سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی ملک سمجھتے ہی نہیں تھے، تو اس طرح دعوائے وراثت نہ بُرہانی انداز میں صحیح ہوا، کیونکہ سابقہ دعوٰی نے اس کی بنیاد ختم کر دی، اور نہ جدلی انداز میں، کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کو صرف انتظامی معاملہ کے طور پر زیرِ تصرف مانتے تھے نہ کہ ذاتی ملکیت کے طور پر۔

د۔ ہبہ ثابت ہونے کی صورت میں سارا فدک آپ کا ہوتا اور وراثت کے قانون کے تحت ازواجِ مطہرات کو بھی حصہ ملنا تھا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بھی تو اس صورت میں پورے فدک پر از رُوئے قانونِ وراثت حقداری کا دعوٰی کیسے کیا جا سکتا تھا؟ کیا حضرتِ زہرا رضی اللہ عنہا قرآن مجید کے اس واضح قانون سے بھی بے خبر تھیں کہ ازواج کو بھی ترکہ سے حصہ ملنا ضروری ہے اور صرف ایک بیٹی ورثا کِ نسبی میں ہو تو اس کو صرف نصف حصہ مل سکتا ہے نہ کہ ساری جائیداد لیکن بقول علمائے شیعہ آپ نے سارے فدک پر اپنی حقداری ثابت کرنا چاہی تھی، تو کیا یہ مطالبہ قانونِ وراثت کے سراسر خلاف نہیں تھا؟ اور آپ سے اس کی توقع کی جا سکتی تھی؟

ھ۔ بقول علمائے اہل التشیع حضرتِ زہرا رضی اللہ عنہا نے قانونِ وراثت کا سہارا لیا، مگر کیا آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ جب میرے ابا جان عورتوں کے ساتھ نکاح کے عام قانون سے مستثنیٰ ہیں اور جتنی عورتوں کو چاہیں اپنی زوجیت میں لے سکتے ہیں، تو پھر وراثت کے حصوں میں بھی آپ کا معاملہ مختلف ہونا چاہیے، ورنہ آپ کی ازواج کے ساتھ ناانصافی لازم آئے گی۔ نیز جب عام اہلِ اسلام کی بیویوں کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

قانونِ عدت سے اور بعد از عدت جوازِ نکاح سے ازواجِ مطہرہ کا معاملہ مختلف ہے تو پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جائیداد یا زیرِ تصرف اموال کی تقسیم کا حکم بھی مختلف ہونا ضروری ہے، کیونکہ جو صرف چار ماہ دس دن تک عدت کی پابند ودبھی خاوند کی اولاد ہوتے ہوئے آٹھویں حصّہ کی حقدار اور چار ہونے کی صورت میں بتیسویں حصّے کی حقدار، مگر ازواجِ مطہرات کے لیے تازیست دوسری جگہ نکاح نہ کر سکنے اور حکم معتدات میں ہونے کے باوجود اور بیک وقت نو امہات المومنین ہونے کے باوجود بھی وہی آٹھواں حصّہ ہونا، تو پھر بھی ناانصافی تھی، چہ جائیکہ سرے سے ان کا حصّہ ہی نہ ہوا اور پورے فدک پر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا بلا شرکتِ غیرے بطورِ وراثت حقِ ملکیت جتلائیں، لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ شیعہ حضرات نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو مخالفِ شرع ثابت کرتے کرتے خود حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو العیاذ باللہ مخالفِ شرع ثابت کر دکھلایا ہے اور اپنی ماؤں کے حق میں سرد مہر و بے وفا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکائے حیات اور امہات المومنین اور اپنی امہات کے ساتھ صلہ رحمی سے عاری اور حقِ ولدیت کی رعایت سے غافل بلکہ انکاری بنا ڈالا، جو ایک عام مسلمان کے بھی لائق نہیں، چہ جائیکہ ایسی مقدس ہستیوں کے لائق ہو۔

۹۔ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے سہل اور مفید ترین دعوٰی کی جگہ مشکل اور غیر مفید دعوٰی کی طرف عدول کیوں فرمایا۔ ہبہ ثابت کرنے کے لیے آپ کو صرف ایک اور عورت کی شہادت درکار تھی اور یا ایک مرد کی جبکہ اس صورت میں پورا فدک آپ کو مل جانا تھا اور وراثت کی صورت میں فدک کے بہت سے حقدار سامنے آسکتے تھے، تو کیا ہبہ کرتے وقت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنانے کا خیال نہ رہا یا حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو یہ قانونِ شہادت معلوم نہیں تھا؟ اور اس ہبہ کا بقول شیعہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا، تو اُس نے بھی علیم و خبیر ہوتے ہوئے مستقل بند و بست فدک کا نہ کرایا اور نہ ہی ذَا الْقُرْبٰی کی جگہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے نام کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تصریح فرمائی اور نہ ہی حقّہٗ کی جگہ فدک کا لفظ ذکر فرمایا۔ کیا یہ مقام حیرت نہیں کہ حوالے کرانے کے لیے تو آیتیں نازل کر دیں، مگر گواہوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بے پرواہی سے کام لیا کہ سب کوشش بے نتیجہ ہو کر رہ گئی۔ العیاذ باللہ! کیا اس نزاع کے وقت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ موجود نہیں تھے جو آیت کے فدک کے بارے میں نازل ہونے اور فدک حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے حوالے کیے جانے کے راوی ہیں، انہیں کیوں نہ گواہ بنا لیا گیا؟ یا اس نص کو کیوں نہ پیش کر دیا گیا تاکہ گواہوں کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو نہ اس آیت کے فدک کے بارے میں نازل ہونے کا علم تھا اور نہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کا اور ان کے اس معاملہ کے گواہ ہونے کا علم تھا، ورنہ اس دعویٰ سے عدول کی ضرورت پیش نہ آتی، تو علیہ عوفی کو یہ علم کس طرح حاصل ہو گیا؟

ح: ہبہ ہو یا وراثت، دونوں کا اجراء ذاتی مال میں ہوتا ہے نہ کہ حاکم وقت کے زیر تصرف قومی املاک میں لہٰذا پہلے یہ ثابت کرنا لازم تھا اور تمام علمائے شیعہ کی از روئے عقل اور شرع، یہ بنیادی ذمہ داری تھی اور ہے، کیونکہ جس فدک کے نہ دیئے جانے کی وجہ سے عالم اسلام کی بزرگ ترین ہستیوں کو موردِ الزام گردانا جاتا ہے، اور سخت مجرم و گنہ گار، تو کم از کم اس الزام اور اثبات جرم کی بنیاد تو فراہم کر دیں حالانکہ ہم بارہا اس پر تنبیہ کر چکے ہیں کہ فدک قطعاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی جاگیر اور جائیداد نہیں تھی۔

ملکیتِ فدک وغیرہ کی حقیقت

اس ضمن میں مزید چند دلائل معروضِ خدمت ہیں۔ یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ فدک کے لیے جنگ نہیں کیا گیا تھا اور اس میں مجاہدین کے وہ حصص ثابت نہیں ہو سکتے تھے، جو جنگ لڑنے کی صورت میں مالِ غنیمت کے اندر ہوا کرتے ہیں، لیکن یہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

امر بھی تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ جس طرح مالِ غنیمت یعنی خمس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ تصرف ہونے کے باوجود اس کے حقداروں میں یتامیٰ، مساکین اور مسافر بھی داخل ہیں: كَمَا قَالَ اللّٰهُ تعالیٰ، وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (سورۃ الانفال) اسی طرح مصالحت کی صورت میں حاصل ہونے والے علاقہ جات وغیرہ کے متعلق بھی رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق تصرف ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ دوسرے حقداروں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تعالیٰ: وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَابْنِ السَّبِيْلِ۔ یعنی قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے، بلکہ فقرا مہاجرین بھی ان مستحقین میں داخل ہیں۔ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تعالیٰ، وَلِلْفُقَرَاءِ الْمُهٰجِرِيْنَ (الآیۃ)، اور انصار مدینہ بھی جو کہ فقرا و مسکین تھے۔ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تعالیٰ، وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ (الآیۃ) اور ان کے بعد حلقۂ اسلام میں داخل ہونے والے فقرا و مساکین بھی۔ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ (سورۂ حشر) اور یہ امر محتاجِ بیان نہیں کہ ذاتی ملکیت میں اصلی مالک کے ساتھ مصارف کو اس طرح ذکر نہیں کیا جاتا جیسے کہ مالک کا تذکرہ ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا، فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ "مومنین کے اموال میں سائلوں اور محروم لوگوں کے لیے حق ہے" تو اس میں اموالھم فرما کر مالکانہ حیثیت کو الگ واضح کر دیا گیا، جبکہ ان آیاتِ مقدسہ میں لام اختصاص اور تملیک جس طرح الرسول پر داخل ہے۔ دوسرے اقسام و اصناف پر بھی اسی طرح داخل ہے۔ نیز ان دونوں قسم کے اموال میں اور انفال کے قسم میں بھی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر فرمایا ہے، قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ حقیقی مالک ان تمام اموال کا اللہ تعالیٰ ہے اور جس طرح رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تنفیذ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

احکامِ الٰہیہ میں نائب خداوند تعالیٰ ہیں - اسی طرح اُن اموال میں بھی نائب ہیں اور مستحقین تک یہ اموال پہنچانے والے ہیں، جس طرح کہ روزی رسان مدبراتِ ملائکہ کا بھی کام ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متصرف بھی تھے اور مصرف بھی، لہٰذا ان کو اللہ تعالیٰ سے الگ ذکر کیا جو کہ مالکِ محض اور متصرفِ حقیقی ہے اور دیگر اقسام چونکہ مصرفِ محض تھے، لہٰذا انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ کر دیا اور لفظ اللہ پر لام، پھر لفظ الرسول پر لام اور تیسری جگہ ان اصناف پر لام اختصاص کا لانا، اسی فرق کو ہی واضح کرنے کے لیے ہے اور جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا، تو پھر ان کی جگہ امراءِ اسلام اور خلفاء متصرف بھی ہوں گے اور مصرف بھی، جس کو کافی میں بروایت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ، ثم للامام بعدہ یضعہ حیث یشاء سے تعبیر کیا گیا ہے۔

الغرض فدک مالِ فیئ ہو جیسے کہ قرآن مجید سے ثابت ہے یا انفال سے ہو، جیسے کافی کلینی میں مرقوم ہے - ہر دو صورت میں وہ رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ تصرف ہونے کے باوجود آپ کی ذاتی ملکیت نہیں تھا، بلکہ اَللّٰہُ یُعْطِی وَاَنَا قَاسِم۔ کے مطابق رزق اللہ تعالیٰ کا تھا اور قاسم اس کے آپ تھے اور مصارف وہ جو قرآن مجید نے بیان فرمائے ہیں، جس طرح آج اگر بادشاہِ اسلام کفار پر حملہ کرے اور وہ مرعوب ہو کر صلح کر لیں اور کچھ دے دیں، تو وہ اس بادشاہ کی ذاتی جاگیر نہیں ہو گی، بلکہ قومی ملکیت ہو گی اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے نائبین کے ساتھ مختص ہونے اور ان کے خالص حق ہونے کا صرف اور صرف یہ مطلب ہے کہ بطورِ مالِ غنیمت کے مجاہدینِ اسلام کو اس سے حصہ نہیں دیا جائے گا - اسی لیے فرمایا کی لایکون دولۃ بین الاغنیاء منکم تاکہ اموال فیئ بھی تمہارے اغنیاء کے درمیان نہ گردش کرتے رہیں، جبکہ مالِ غنیمت میں تو غنی اور فقیر کا فرق نہیں کیا جا سکتا ہے اور نہ ذاتی ملکیت کے لیے فقیر ہونا ضروری اور نہ حق وراثت حاصل کرنے کے لیے، بلکہ نسبی قرابت والا امیر ترین ہی کیوں نہ ہو، وہ وراثت کا حق حاصل کرے گا، لیکن اموال فیئ میں یہ علت بیان کر کے جتلا دیا کہ فقراء و مساکین اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یتامیٰ و ابن السبیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے روزی رسانی کا یہ ذریعہ بھی بنایا ہے جس طرح دیگر صدقات اور اگر رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی ملکیت ہوجاتے تو پھر آپ کا اغنی الاغنیاء ہونا لازم آئے گا اور صرف آپ کے غنی کرنے کے لیے اس قسم کا اجراء مقصود ہوجائے گا جو قرآن مجید کے کلمات طیّبات اور اس کی بیان فرمودہ علت و حکمت کے سراسر خلاف ہے۔

اسی مضمون کی مزید روایات بھی ملاحظہ ہوں۔ ابوبکر جوہری نے ذکر کیا ہے:

۱- ارسلت فاطمة الیٰ ابی بکر انت ورثت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ام اهله قال بل اهله قالت فما بال سهم رسول اللّٰہ قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول ان اللّٰہ اطعم نبیه طعمة ثم قبضه وجعله للذی یقوم بعده فولیت انا بعده علی ان ارده علی المسلمین قالت انت وما سمعت من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم اعلم۔

(شرح حدیدی جلد ۱۶ ص ۲۱۹)

یعنی حضرت زہراء رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف آدمی بھیجا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث تم ہو یا آپ کے اہل بیت تو آپ نے کہا میں نہیں، بلکہ آپ کے اہل بیت وارث ہیں تو آپ نے فرمایا پھر رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حصّہ کس حال میں ہے (ہمیں کیوں نہیں مل رہا) تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چیز کھانے اور استعمال کرنے کے لئے عطا فرمائی، پھر انہیں اپنی طرف بلالیا اور اس مال کو اس شخص کے سپرد کیا جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام بنا۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں اس کا متولی ہوں اس عہد اور اس شرط پر کہ میں اس کو اہلِ اسلام پر خرچ کروں، تو آپ نے فرمایا تم اس کو بہتر طور پر جانتے اور سمجھتے ہو جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور یہی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

روایت ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری جلد ۶ صفحہ ۱۳۹ پر ذکر کی ہے

۲۔ دوسری روایت میں حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیج کر اسی طرح کا سوال کرنے کے بعد آپ کا یہ جواب ذکر کیا ہے، انما ھی طعمۃ اطعمناھا اللہ فاذا مت کانت بین المسلمین یعنی میں نے رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ اموال کھانے اور استعمال کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرماتے ہیں۔ جب میرا وصال ہوگیا تو یہ اہل اسلام کے حوالے اور سپرد ہوں گے اور ان کے تصرف میں ہوں گے، یعنی صرف میرے اقربا اس کو بطور وراثت تقسیم نہیں کرسکیں گے، بلکہ دیگر ضرورت مند اور اہل اسلام بھی ان میں برابر کے حصہ دار ہوں گے' لہٰذا ان آیات وروایات سے واضح ہوگیا کہ فدک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی جائیداد نہیں تھا، لہٰذا وراثت کی آیات پڑھ پڑھ کر حق وراثت کیونکر ثابت کیا جاسکتا ہے۔ ضرورت صرف ذاتی جائیداد ثابت کرنے کی تھی، مگر وہ ثبوت فراہم ہی نہیں کیا گیا۔

سوال: فدک کو ذاتی جائیداد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ سمجھنا انفال، فئی اور مال غنیمت کے فرق کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے ہے، ورنہ فدک جب انفال کے قبیل سے ہے اور ان کا حکم قرآن مجید میں ان کلمات کے ساتھ واضح کر دیا گیا ہے: یسئلونک عن الانفال قل الانفال للہ والرسول۔ وہ آپ سے سوال کرتے ہیں انفال کے متعلق فرما دیجیے کہ انفال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہیں، تو یہاں پر صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جانا اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ وہ آپ کی ذاتی جائیداد ہے، جبکہ اموال غنیمت میں اور اموال فئی میں دوسرے حقداروں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

جواب اوّل: حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے کافی کلینی کے حوالہ سے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ فدک انفال سے ہے اور انفال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام و خلیفہ کے زیر تصرف ہوتے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہیں۔ اگر قرآن مجید میں انفال کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی جائیداد قرار دیا گیا تھا، تو پھر قرآنِ ناطق حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی مخالفت فرمائی، کیونکہ آپ کی ذاتی جائیداد ہو تو پھر امام کے لیے حقِ تصرف نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اس میں وراثت جاری ہونی چاہیے تھی اور ازواجِ مطہرات، حضرت زہرا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم اس کے وارث ہوتے نہ کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، جبکہ خلیفہ اور امام تو آپ ہیں نہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اور دیگر حضرات، لہٰذا فرمانِ امام سے صاف ظاہر ہے کہ انفال بالعموم اور فدک بالخصوص حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی جائیداد نہیں تھا، ورنہ فرمانِ امام غلط ہو جائے گا۔

جواب ثانی: یہاں پر حقیقی مالک تصرف کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور بطور نائب و خلیفہ کے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا، لیکن اس کے مصارف کیا ہیں؟ ان کا یہاں ذکر نہیں کیا گیا، مگر ذکر نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ مالِ غنیمت یا مالِ فیئ کے مصارف بالکل جدا ہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ خمس غنیمت یا مالِ فیئ تو ذوی القربیٰ میں صرف ہو سکتا ہے، لیکن انفال کو ان پر خرچ بھی نہیں کیا جا سکتا تو یہ آیت کریمہ فدک وغیرہ کے ہبہ اور تملیک کے منافی ہو گئی اور اس سے شیعی نظریہ سرے سے باطل ہو گیا لہٰذا صاف ظاہر ذکرِ رسول از روئے متصرف ہے نہ کہ مصرف محض کے۔

جواب ثالث: شیعی مفسرین نے انفال کو مالِ فیئ یا مالِ غنیمت کا قسیم اور ان سے مغایر بالذات نہیں مانا، بلکہ اس کو غنیمت کا ہم معنیٰ اور یا فیئ کا ہم معنیٰ قرار دیا ہے اور یا اس کو عام معنیٰ پر محمول کیا ہے، جو اموالِ غنیمت اور اموالِ فیئ کو شامل ہے، لہٰذا ان میں تباین ثابت کر کے انفال کو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی جائیداد قرار دے دینا بالکل غلط ہے۔

(۱) تفسیر صافی میں ملا محسن کاشانی نے کہا: هی غنائم خاصة والنفل الزیادة علی الشیئ سمیت به الغنیمة لانها عطیة من الله و فضل یعنی انفال سے مراد اموالِ غنیمت ہیں اور نفل کا معنیٰ کسی شیئ پر اضافہ اور زیادت ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اور مالِ غنیمت کو نفل کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ اور فضل ہے۔ (تفسیر صافی مطبع جدید، جلد ۲، ص ۲۶۶)

(۲) فی التھذیب عن الباقر والصادق علیھما السلام الفیئ والانفال ما کان من ارض لم تکن فیھا ھراقۃ دم او قوم صولحوا واعطوا بایدیھم وما کان من ارض خربۃ او بطون اودیۃ فھو کلہ من الفیئ والانفال فھذا کلہ للہ ولرسولہ فما کان للہ فھو لرسولہ یضعہ حیث شاء وھو للامام بعد الرسول۔ (تفسیر صافی ص ۲۶۶)

تہذیب الاحکام میں امام محمد باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ فیئ اور انفال وہ زمین ہے جو خون بہائے بغیر ہاتھ آجائے یا کوئی قوم صلح کرلے اور اپنے طور پر کچھ علاقے دے دیں یا بنجر زمینیں اور وادیوں کے درمیانی حصے یہ سبھی فیئ اور انفال ہیں اور تمام کے تمام اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پس جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے وہ اس کے رسول کے لیے ہے جہاں چاہیں صرف کریں اور آپ کے بعد امام وقت کے سپرد ہوگا۔

(۳) فی الجوامع عن الصادق علیہ السلام الانفال کل ما اخذ من دار الحرب بغیر قتال وکل ارض انجلیٰ عنھا اھلھا بغیر قتال وسماھا الفقھاء فیئاً والارضون الموات والاجام وبطون الاودیۃ وقطائع الملوک ومیراث من لا وارث لہ وھی للہ وللرسول ولمن قام مقامہ بعدہ (ص ۲۶۶ وکذا فی مجمع البیان جلد ثانی ص ۱۵۸)

جوامع میں حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ انفال ہر وہ زمین ہے جو دارالحرب سے بغیر جنگ کے ہاتھ آئے اور ہر وہ زمین جس سے اس کے مالک جلاوطن ہوجائیں بغیر جنگ کے اور فقہاء نے اس کو فیئ کا نام دیا ہے اور غیرآباد زمینیں جنگلات

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وادیوں کے درمیانی حصے اور بادشاہان وقت کی جاگیریں اور لاوارثوں کی میراث، اور یہ سبھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور رسول علیہ السلام کے لیے اور اُن کے بعد قائم مقام امام اور خلیفہ کے لیے۔

پہلی روایت میں انفال کو عین غنیمت، دوسری میں عین فیئ قرار دیا گیا ہے جبکہ تیسری میں انفال کو فیئ سے عام قرار دیئے جانے کا احتمال ہے، اس کی تنصیص بھی نہیں ہے۔

۴۔ امام جعفر صادق اور امام محمد باقر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ نازل ہی بدر کے مال غنیمت کے متعلق ہوئی ہے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا اور بعد ازاں اس کو مجاہدین کے لیے منتقل کر دیا گیا ہے۔ قالا ان غنائم بدر کانت للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ فسألوہ ان یعطیھم — جب یہ امر واضح ہوگیا کہ ان دونوں جلیل القدر ائمہ کے نزدیک انفال کا مصداق بدر کے اموال غنیمت ہی ہیں، تو اب یہ امر قابل تنقیح ہے کہ آیا حکم غنائم پر مشتمل آیت اس کے لیے ناسخ ہے یا نہیں اور دونوں آیات میں منافات ہے یا نہیں، تو اس امر کی تحقیق شیعی مفسر طبرسی کی زبانی سنیں:

فقال بعضھم ھی منسوخۃ بایۃ الغنیمۃ وھی قولہ واعلموا انما غنمتم من شیئ وقال بعضھم لیست بمنسوخۃ وھو الصحیح لان النسخ یحتاج الی دلیل ولاتنافی بین ھذہ الایۃ و آیۃ الخمس۔ یعنی ان اموال غنیمت کے متعلق جب یہ بیان کر دیا گیا، وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے، تو اب علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور قول باری تعالیٰ، جان لو کہ جو کچھ بطور غنیمت تم نے حاصل کیا تو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے، الخ۔ اس کے لیے ناسخ ہے اور بعض نے کہا یہ آیت منسوخ نہیں ہے اور صحیح قول بھی یہی ہے، کیونکہ نسخ محتاج دلیل ہے اور اس پر کوئی دلیل موجود نہیں، اور قول باری تعالیٰ،

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

الانفال للّٰہ والرسول میں اور آیتِ خمس میں منافات اور تضاد بھی نہیں کہ اس کی آڑ میں نسخ کا قول کر دیا جائے۔ گویا حقیقی مالک و متصرف اللہ تعالیٰ ہے پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان دونوں نے ازراہِ لطف و کرم چار حصے غانمین کو دے دیئے اور صرف پانچواں حصہ اپنے لیے رکھ لیا۔

نیز اس آیتِ کریمہ کو اگلی آیات کے ساتھ ملا کر دیکھیں، جن میں غزوۂ بدر کی تفصیلات کا بیان ہے اور وہ پہلی جنگ تھی جس میں یہ اموالِ غنیمت ہاتھ آئے تھے اور پہلی امتوں پر ان کا استعمال حرام تھا تو اب اس امر کے دریافت کرنے کی ضرورت تھی کہ آیا ہمارے لئے حلال ہیں یا نہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی حلت کو واضح فرما دیا۔ اجمالی طور پر بھی اور تفصیلی طور پر بھی لہٰذا اس آیتِ کریمہ کو سیاق و سباق سے الگ کر کے اور ائمہ کرام کے ارشادات اور ان کی تفسیرات کو نظرانداز کر کے اور اپنے فقہاء و مفسرین کے اقوال سے بھی صرفِ نظر کر کے من مانے معانی پر محمول کرنے کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے اور اسے تیسرا قسم قرار دینا اور مالِ غنیمت اور مالِ فیئ سے الگ سمجھنا اور اس کے مصارف بھی ان سے مختلف سمجھنا بالکل غلط ہے اور سراسر تحکم اور سینہ زوری ہے، بلکہ اپنے دعویٰ کے اثبات سے مکمل عجز و بے بسی کے بعد قرآن مجید کو بازیچۂ اطفال بنانے کی مذموم کوشش ہے اور ارشاداتِ ائمہ کو لغو ٹھہرانے کی سعی نامشکور۔

جوابِ رابع: قطعِ نظر ان تمام امور سے جو ہم نے ذکر کیے ہیں۔ اگر انفال کو علیحدہ قسم شمار کریں اور اس ہیئت کو ملحوظ رکھیں تو لازم آتے گا کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی امام و خلیفہ اور حاکمِ اسلام کے دور میں انفال نام والے اموال اور قطعات اراضی متحقق ہی نہ ہوسکیں اور یہ بدیہی البطلان ہے، جس طرح مالِ غنیمت خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص نہیں اور نہ مالِ فیئ اسی طرح انفال بھی اس دور کے ساتھ مختص نہیں تو لازمی طور پر تسلیم کرنا پڑا کہ اس آیتِ کریمہ میں رسول کا ذکر بطورِ حصر نہیں ہے اور دوسرے مصارف کی اس سے نفی لازم نہیں آتی۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

شق پنجم کا جواب یہ ہے کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے دھڑا دھڑ آیات پڑھیں یا نہیں، تمام علمارِ شیعہ مل کر ایسی آیت بتا دیں، جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ حاکمِ وقت اور بادشاہِ اسلام قومی املاک اور بیت المال کا ذاتی طور پر مالک ہوتا ہے اور فدک کے قسم کے اموال جو کفار کی طرف سے لشکرِ اسلام کے مقابلہ کی تاب نہ لاتے ہوئے بطورِ مصالحت پیش کئے جائیں، وہ ان کی ذاتی جاگیر ہوتے ہیں اور ان کے ورثاء مالک ہوا کرتے ہیں، مگر افسوس ہے کہ آج تک علمارِ شیعہ نہ کوئی ایسی آیت پیش کر سکے اور نہ ہی تیار کر سکے اور حضرت سیدہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی طرف جن آیات کے دھڑا دھڑ تلاوت کرتے جانے کی نسبت ہے، وہ قطعاً اس مقصد و مدعا کو ثابت نہیں کر سکتیں، مثلاً یُوصِیکُمُ اللّٰہُ فِیٓ اَوۡلَادِکُمۡ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ۔ (الآیہ) میں وراثت کا حکم ہے، مگر جس کا ذاتی مملوک مال ہوگا۔ وہی اس کا مخاطب ہوگا نہ کہ متولی اوقاف اور قومی املاک کے نگران اور بادشاہانِ اسلام بھی اپنے زیرِ تصرف اموال کو اس آیت کی رُو سے اپنی اولاد میں بطورِ وراثت تقسیم کرنے کے پابند ہوں گے۔ نیز وَرِثَ سُلَیۡمٰنُ دَاوٗدَ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے حضرت سلیمان علیہ السلام کا وارث ہونا ثابت ہے مگر وہ تو حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد ان کے خلیفہ اور قائم مقام حاکم تھے، لہٰذا ان کی وراثت کا وہی معنیٰ ہوا، جو کافی کلینی والی امام عالی مقام حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ والی روایت کا ہے، ثم للامام بعدہ یضعہ حیث یشاء کہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ مال آپ کے قائم مقام خلیفہ اور امام کے لیے ہوگا۔ اگر مال کی وراثت قانونِ شرع کے مطابق تھی تو صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر کیوں ہے؟ ان کی دوسری اولاد کیوں ذکر نہیں کی گئی، کیا حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو یہ بھی علوم نہیں تھا کہ ان کے کتنے بیٹے تھے؟ کتبِ تاریخ میں ان کے انیس فرزند مذکور ہیں۔ نیز اس میں وراثتِ نبوت والا معنیٰ مراد ہے اور اس کے ضمن میں علوم و معارف

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لدنیہ کی وراثت والا جیسے کہ فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم العلماء ورثۃ الانبیاء میں اسی وراثتِ علمی کو بیان کیا گیا ہے جو علماء کو انبیاء کرام کی طرف سے حاصل ہوتی ہے مگر شیعہ حضرات ہیں کہ انہیں جہاں لفظِ وراثت نظر آیا، اس کو قانونِ وراثتِ مالی کا ماخذ قرار دے دیتے ہیں جو خود فریبی اور عوام فریبی کے علاوہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

ب۔ حسبنا کتاب اللہ کہنے والوں نے تو کتاب اللہ کی روشنی میں بتلایا تھا کہ فدک اموالِ فیئ سے ہے اور وہ قرآن مجید کی رُو سے اہلِ قرابت، یتامیٰ، مساکین، اور مسافروں کا حق ہے۔ مہاجرین و انصار کا حق ہے اور ان کے متبعین بالاحسان کا حق ہے، مگر ہ اصم عن الشیئ الذی لا یرید ہ کے تحت اگر علماءِ شیعہ کے کان ہی بہرے ہو چکے ہوں، تو اس کا کیا علاج ہے اور کتبِ صحاح میں اس کو مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، مگر بصارت بھی بصیرت کی طرح زائل ہو چکی ہو تو ہم کیا کریں جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے باہمی نزاع کے موقعہ پر اور حضرت عثمان، حضرت عثمان، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کے ان کی سفارش کرنے پر مفصل طور پر بیان فرمایا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اس کا مال فیئ ہونا اور اہلِ اسلام کا مشترکہ مال ہونا واضح کیا اور حضور سیدِ عالم صلی اللہ کی اس پر قبضہ کی نوعیت بھی واضح فرمائی اور یہ واضح ہے کہ مدعا کے مطابق ہو تو ایک مطابق ہو تو ایک ہی آیت کافی ہوتی ہے اور مدعا سے ربط و تعلق ہی نہ ہو تو بیسیوں بلکہ سینکڑوں کی دھڑا دھڑ تلاوت بھی کارآمد ثابت نہیں ہوتی، بنیادی ضرورت ذاتی ملکیت ثابت کرنے کی تھی، مگر اس کو ثابت ہی نہ کیا گیا، جس وجہ سے مدعا کا اثبات ممکن نہ رہا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

عدم توریث والی حدیث پر اجماع کا بیان

ج: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو حدیث بیان فرمائی، اس کو علامہ موصوف نے خانہ ساز کہہ دیا اور موضوع و من گھڑت، حالانکہ اس حدیث کو حضرت صدیق اور حضرت عمر کے علاوہ حضرت سعد، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے بھی صحیح تسلیم کیا اور حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے بھی صحیح تسلیم کیا اور تمام ازواج مطہرات نے بھی صحیح تسلیم کیا، اس لیے ان میں سے کسی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ اور مواضعات میں سے اپنا حصہ طلب نہیں فرمایا تھا، بلکہ تمام مہاجرین و انصار اور اصحاب رسول اور جملہ اہل بیت کرام کا اس پر اجماع و اتفاق ہو گیا جیسے کہ ابن ابی الحدید نے کہا ہے۔ شرح حدیدی، ج ۱۶، ص ۲۶۳ والصحیح انہ لم ینطق احد بعد ذالک من الناس من ذکر او انثی بعد عود فاطمۃ علیہا السلام من ذالک المجلس بکلمۃ واحدۃ فی المیراث۔ یعنی صحیح یہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے اس مجلس سے لوٹنے کے بعد کسی بھی مرد اور عورت نے اموالِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ گویا ابتدا میں کچھ اختلاف ہو بھی تو بعد ازاں حقیقتِ حال آشکارا ہو گئی اور سبھی اہلِ اسلام حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ متفق ہو گئے، تو جس حدیث پر اصحاب رسول اور اہل بیت کا اجماع ہو اس کو خانہ ساز کہنا بہت بڑی جسارت اور بے باکی ہے۔ نیز کوئی بھی عقلِ سلیم کا مالک یہ کیسے تسلیم کر سکتا ہے کہ اکیلی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا تو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے نہ ڈریں اور انہوں نے تقیہ نہ کیا، لیکن حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما بمع تمام بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب اور بنو عبد مناف ڈر گئے اور تقیہ کر گئے اور سبھی مہاجرین و انصار بھی ڈر گئے اور ایک جملہ بھی زبان پر نہ لا سکے اور مشورہ بھی نہ دے سکے اور پہلے ابن میثم کے حوالے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ماکنت الا رجلا من المہاجرین اوردت کما وردوا وصدرت کما صدروا اما کان اللہ لیجمعھم علی ضلال ولا یضربھم بعمی۔
کہ میں عام مہاجرین میں سے ایک مہاجر آدمی تھا، وہ جہاں وارد ہوئے، میں وارد ہوا، جہاں سے وہ کو ٹے، میں لوٹا، اللہ تعالیٰ کے شایان شان یہ نہیں کہ انہیں گمراہی پر متفق کرے اور نہ یہ کہ انہیں حقیقتِ حال سے بے خبر رکھ کر مارے اور خلافت کے متعلق مہاجرین وانصار کے اجماع کو آپ نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی، اور پسندیدگی قرار دیتے ہوئے فرمایا: فان اجتمعوا علی رجل وسموہ اماما کان ذالک للہ رضی۔ لہٰذا اس حدیث پر اور صدق صدیق پر اجماع ثابت ہو جانے کے بعد اور اجماع مہاجرین وانصار کے متعلق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ان تاثرات کے بعد علامہ موصوف کے اس قول کی لغویت اور بطلان میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہو سکتی ہے؟

تنبیہ: یہی روایت شیعہ کے شیخ صدوق اور ابو جعفر کلینی نے نقل کی ہے ملاحظہ ہو انوار نعمانیہ جلد اول ص ۹۴ اور اصول کافی جلد اول ص ۳۲ و ص ۳۴

قدروی الصدوق باسنادہ الی الصادق علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (الی) وان العلماء ورثۃ الانبیاء و ان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکن ورثوا العلم فمن اخذ بہ اخذ بحظ وافر۔

شیخ صدوق نے حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ تک واصل اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (نا) علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور تحقیق انبیاء نے دینار اور درہم کا وارث کسی کو نہیں بنایا، لیکن انہوں نے علم کا وارث بنایا۔ پس جس شخص نے علمِ نبوت کو حاصل کیا، تو اس نے حظ وافر کو حاصل کر لیا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اور ظاہر ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فدک کے حاصل نہ ہو سکنے کی بنیادی دلیل کو جانتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا استدلال ان سے مخفی نہیں ہو سکتا تھا، تو اس کے باوجود اس امام صادق رضی اللہ عنہ کا اسے روایت کرنا اور شیخ صدوق کا اسے نقل کرنا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صداقت کی بیّن دلیل اور ناقابل تردید برہان ہے اور اس حقیقت سے بھی کوئی مسلمان بے خبر نہیں ہو سکتا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنا اور افترا کرنا، اپنے آپ کو جہنمی بنانے کے مترادف ہے۔ اگر العیاذ باللہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دنیوی مال کی خاطر افترا سے کام لیا تھا، تو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو کس شوق میں جہنم کا ایندھن بنا رہے تھے، ان کو تو نہ دنیا یا تھ آ رہی تھی اور نہ دین قبضہ میں رہ رہا تھا اور آخرت بھی خراب ہو رہی تھی، لہذا یہ ماننے بغیر چارہ نہیں کہ واقعی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا تھا اور اس کو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا تقیہ قرار دینا بالکل غلط ہے، کیونکہ انہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوتے مختوم وصیت نامہ میں علانیہ اپنے مذہب کے پرچار کا حکم دیا گیا تھا اور تقیہ سے منع کیا گیا تھا جیسے کہ مبحث تقیہ میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

سوال: یہ حدیث خبر واحد ہے، اس سے تخصیص کتاب کا کیا جواز بلکہ مخالف قرآن ہونے کی وجہ سے خود ہی ناقابل اعتبار ہو گی؟

جواب: خبر واحد ظنی تب ہوتی ہے جب غیر رسول سے سنی جائے اور اگر کوئی شخص براہ راست رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے تو وہ اس کے حق میں اسی طرح قطعی ہو گی، جس طرح آیت کلام مجید اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے براہ راست سنی تھی، لہذا اس میں ظنی ہونے کا توہم باطل ہے، بلکہ دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان نے بھی اس کو تسلیم کیا اور اہل بیت کی روایت سے بھی اس کی تصدیق ہو گئی اور مخالف قرآن ہونے کا توہم بھی بذات خود غلط ہے۔ قرآن مجید میں کہاں لکھا ہے کہ علماء ربانیین انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث نہیں اور یہ کہاں لکھا ہے کہ جو انبیاء حاکم و بادشاہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہوتے تھے، ان کے زیرِ تصرف ہر شے ان کی ذاتی ملکیت ہوتی تھی۔

سوال: ہوسکتا ہے کہ انبیاء باعتبارِ وصفِ نبوت کے مراد ہوں یعنی نبی ازروئے نبی ظاہر ہونے کے درہم و دینار کا وارث کسی کو نہیں بناتے، لیکن ازروئے بشریت و انسانیت وہ وارث بناتے ہیں؟

جواب: دینار و درہم کو علم کے مقابل ذکر کیا گیا، لہٰذا یہ تقابل اس توجیہ و تاویل کے منافی ہے، کیونکہ ازروئے نبی ہونے کے علوم کے وارث بنائیں ازروئے بشر و انسان ہونے کے دراہم و دنانیر کا تو وارث دونوں طرح کے ہوگئے، پھر درہم و دینار کے وارث بنانے کی نفی غلط محض ہوگئی۔ علاوہ ازیں وصفِ نبوت کے ساتھ اس حکم کو متعلق کرنے کا مقصد ہی فوت ہوگیا، کیونکہ غیر نبی عالم و معلم ہو اور مالدار بھی تو وہ ازروئے عالم وارث علم بنا رہا ہے اور ازروئے بشریت و انسانیت مال کے وارث، بلکہ وصفِ نبوت کے ساتھ تعلیق کا صرف اور صرف یہ مقصد ہوگا کہ غیر انبیاء میں یہ حکم نہیں ہے، کیونکہ نبی کے حق میں توریث کی صورت میں یہ تہمت ہوسکتا ہے کہ اُس نے نبوت کو بہانہ بنایا ہو اور اصلی مقصد دراہم و دنانیر کا جمع کرنا ہو، لہٰذا یہ بنیاد ہی ختم کردی گئی، بخلاف غیر انبیاء کے وہاں اس قسم کا تو تہمت ہی نہیں ہوسکتا۔

سوال: اس روایت میں درہم و دینار کے وارث بنانے کی نفی کی گئی ہے۔ زمین، باغات اور منازل و مساکن کے وارث بنانے کی نفی نہیں کی گئی، لہٰذا فدک وغیرہ کے وارث بنانے کی اس سے نفی کیسے ہوسکتی ہے؟

جواب: ہر صاحبِ عقل و ہوش جانتا ہے کہ درہم و دینار کی وہ اہمیت نہیں ہوتی جو زمین، باغات اور منازل کی ہوتی ہے۔ اصل اور پائیدار جائیداد درہم و دینار نہیں، بلکہ زمین اور باغات اور منازل ہیں۔ تو یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہوگی کہ حضور نبی الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء دنیا سے اپنی بے رغبتی اور زہد کا اظہار اس طرح کریں کہ ہم عارضی اور ناپائیدار دنیوی مال اکٹھا نہیں کرتے اور نہ اس کا کسی کو وارث بناتے ہیں، بلکہ مستقل و منازل اور پائیدار اور غیر منقولہ جائیداد جمع کرتے ہیں اور اسی کے وارث بناتے ہیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نیز آنحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درہم اور ایک دینار کے وارث بنانے کی بھی نفی کر کے جاگیروں اور مواضعات، بساتین اور باغات و مساکن اور منازل کے وارث بنانے کی بطریق اولیٰ نفی کر دی، کیونکہ ایسی کونسی زمین اور باغ اور منزل ہوگی جو ایک درہم یا ایک دینار سے خریدی جا سکے۔

بحمد اللہ تعالیٰ محدث جزائری کے بیہودہ سوالات اور اعتراضات کا جواب آچکا اور حدیث کی صحت پر سے شکوک و شبہات کا غبار چھٹ گیا اور شیعہ و سنی روایات کے مطابق حدیث کی صحت بھی ثابت ہو گئی اور اس پر مہاجرین و انصار کا بلکہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کا اتفاق بھی ثابت ہو گیا، اسی لیے محدث جزائری نے بھی تسلیم کیا: فخطبت خطبة بليغة اظهرت فيها الشكاية من ابي بكر وصاحبه ومن المهاجرين والانصار في ترك نصرتهم لها في ميراثها۔ (ج ۱، ص ۹۵) کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے بلیغ خطبہ دیا، جس میں ابوبکر اور اُن کے ساتھ حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) کی شکایت کی اور تمام مہاجرین و انصار کی بھی کہ انہوں نے میراثِ فدک کے متعلق ان کی امداد و اعانت نہ کی اور دوسرے مقام پر ان حضرات کے علاوہ خود حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شکایت اور ان پر سخت الفاظ میں تنقید بھی ذکر کی جا چکی ہے، گویا پورا اس وقت کا عالمِ اسلام عملی طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور زبان سے ایک لفظ ان کے خلاف اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی حمایتِ دعویٰ میں نہیں نکال رہے تھے تو آخر وہ امت جس کو بالخصوص كنتم خير أمة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر" کے امتیازی نشان سے نوازا گیا، وہ سبھی گمراہی اور ضلالت پر متفق ہو چکے تھے اور فرمانِ خداوندی غلط ثابت ہو چکا تھا، نعوذ باللہ من ذالک اور بالآخر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا بھی اخراجات کی کفالت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ تقسیم کے مطابق تقسیم کی ضمانت ملنے پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے متفق ہو گئیں اور ان سے راضی ہو گئیں، گویا ؎

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حدیث ہے اپنی طرف نہیں کہی اور اُن کی طرف خدائی ہے
اس سے بڑھ کر صداقتِ صدیق اور حقانیتِ حدیث اور اس کی صحت و واقعیت کی کونسی دلیل درکار ہو سکتی ہے۔ فبای حدیث بعدہٗ یومنون ۰

حضرت علی کی حضرت ابوبکر سے فدک میں موافقت اور علماء اہلِ تشیع کا اضطراب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صداقت پر اور ان کی بیان فرمودہ حدیث کے صحیح ہونے پر حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے اپنے دورِ خلافت کے طرزِ عمل اور روش و کردار نے مہرِ تصدیق لگادی جو اہل السنت کی حقانیت کا بین اور ناقابلِ تردید ثبوت ہے اور شیعہ مذہب اور ان کے مزعومات اور اوہام و ظنون وغیرہ کو جڑوں سے اکھیڑ دینے والا ہے، اس لیے انہوں نے عملی موافقت تسلیم کرنے کے باوجود جن تاویلات و تسویلات اور ہیریوں پھیریوں سے کام لیا ہے، وہ ملاحظہ کریں اور اس حدیقۃ الحیوانات کی سیر کر کے بھانت بھانت کی بولیاں اور مختلف النوع چہچے اور راگ سماعت فرمادیں اور عین حضور میں ڈولتی بلکہ ڈوبتی ہوئی مذہبِ شیعہ کی نیا کا مشاہدہ کریں۔

ابن بابویہ قمی کی تاویل اور اس کی لغویت

انہوں نے اپنی معروفِ زمانہ کتاب علل الشرائع میں کہا،
لان الظالم والمظلومة کانا قدما علی اللہ عزوجل و اثاب اللہ المظلومة وعاقب اللہ الظالم فکرہ ان یسترجع شیئًا قد عاقب اللہ علیہ غاصبہ واثاب علیہ المغضوبۃ ص۱۳۰

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

چونکہ فدک کے بارے میں ظالم (یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) اور مظلومہ (یعنی حضرت زہراء رضی اللہ عنہا) دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی جناب میں پیش ہو چکے تھے، اور ظالم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب وعتاب اور مظلومہ کو اس کی طرف سے اجر و ثواب مل چکے تھے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس چیز کو واپس لینا پسند نہ کیا، جس پر غاصب کو عقاب اور مظلومہ کو ثواب مل چکا تھا۔

لیکن اس جواب اور توجیہ میں سقم یہ ہے کہ از روئے قانونِ وراثت جہاں فدک میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حصہ دار تھے، حضرات حسنین کریمین اور ان کی ہمشیرگان بھی حصہ دار تھے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی عصبہ ہونے کے لحاظ سے حصہ دار تھے، اگر پہلا حق حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کا تھا، تو ان کے وصال کے بعد یہ حضرات حقدار تھے، تو ان مستحقین کو ان کا حق نہ دے کر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اس ظلم وجور اور غصب میں حصہ دار بن گئے العیاذ باللہ! جبکہ ہر صاحبِ عقل و خرد یہ سمجھ سکتا ہے کہ کسی کی جائیداد غصب ہو جائے اور غاصب و مظلوم فوت بھی ہو جائیں تو نہ غاصب کی اولاد اور ورثاء کے لئے وہ جائیداد حلال ہوتی ہے اور نہ مظلوم کے ورثاء کا شرعی حق اس پر سے ختم ہو سکتا ہے، بلکہ حکام وقت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ایسے ظلم اور جور کو مٹائیں، مگر یہاں صورتِ حال یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بطور حاکم اسلام ہونے کے اس میں تصرف فرماتے رہے اور دوسرے ورثاء محروم رہے، تو گویا جور و استبداد اور غصب و ظلم میں حصہ داری اور اشتراک نہیں ہے۔ نیز اگر فدک واپس ہو جاتا تو مظلومہ کا اجر و ثواب ختم ہو جاتا یا نہیں؟ دوسری صورت میں واپس نہ کرنے کے سبب ہو گیا اور پہلی صورت بدیہی البطلان ہے، کیونکہ اس ظالم کا فعل تو اسی طرح قائم ہے، اس کی توبہ یا فدیہ تو پایا نہیں گیا اور مظلوم کی مظلومیت بھی اسی حال میں قائم رہی، تو واپس کرنے کے باوجود جب مظلومہ کے اجر و ثواب میں کمی واقع نہیں ہو سکتی تھی، تو یہ سبب بھی باطل ہو گیا اور اگر مظلومہ کے اجر و ثواب کے باوجود ظالم کا عذاب و عتاب ختم ہو سکتا تھا، تو پھر واپس کرنا ضروری ٹھہرا، تاکہ ایک مسلمان کو گو عند الشیعہ ظاہر الاسلام ہی سہی مگر اسے عذاب سے تو بچایا جا سکتا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سیّد مرتضیٰ کی توجیہ اور اس کی لغویت

سیّد مرتضیٰ علم الہدیٰ نے الشافی میں یہ توجیہ بیان کی ہے کہ چونکہ خلافت مل جانے کے باوجود ابھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا تقیہ کسی نہ کسی صورت اور شکل میں موجود تھا، اس لیے خلفاء سابقین کے عمل و کردار اور روش و رفتار کے خلاف کرنا شریعتِ تقیہ کی خلاف ورزی کے مترادف تھا، لہٰذا آپ فدک واپس کرنے سے عاجز اور قاصر تھے ؛ فالوجه فی ترکه علیه السلام رد فدك هو الوجه فی اقرارہ احکام القوم وکفه عن نقضها وتغییرها وقد بینا ذالك فیما سبق وذکرنا انه کان فی انتهاء الامر فی بقیة من التقیة قویة (بحوالہ شرح حدیدی جلد ۱۶، ص ۲۷۸) یعنی آپ کے فدک کو واپس نہ کرنے کی وجہ وہی ہے جو وجہ ان خلفاء کے نافذ کردہ احکام کو برقرار رکھنے اور ان کے کالعدم قرار دینے اور تبدیل کرنے سے باز رہنے کی وجہ ہے اور ہم قبل ازیں اسے بیان کر چکے ہیں اور ذکر کر چکے ہیں کہ امر خلافت آپ تک پہنچ جانے کے باوجود آپ ابھی سخت اور قوی تقیہ میں تھے۔

لیکن مقامِ حیرت ہے کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے تقیہ نہ کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلاف مہاجرین و انصار کی موجودگی میں بروایاتِ شیعہ سخت ترین کلمات استعمال کیے اور مناظرہ و مباحثہ کیا اور ذرہ بھر خوف و خشیت اور فکر جان لاحق نہ ہوئی" مگر حضرت امیر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے دوران بھی سخت تقیہ کی حالت میں ہوں۔ کیا التقیہ من دینی ومن دین آبائی۔ تقیہ میرا دین ہے اور میرے آباء کا دین۔ اور تسعة اعشار الدین فی التقیة، لایمان عن لا تقیة له"۔ دین کا نوّے فیصد تقیہ میں ہے اور جو تقیہ نہ کرے، وہ مومن نہیں ہے۔ وغیر ذالک یہ روایات و احادیث حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو معلوم نہیں تھیں یا تیار ہی بعد میں کی گئی تھیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نیز تقیہ کا جواز تو جان سے مارے جانے یا جابر و سرکش لوگوں کی طرف سے مار پٹائی کی صورت میں ہو سکتا ہے، لیکن جب زمام حکومت ہاتھ میں ہو ا یسے مخلصین کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہو جو آپ کے اشارے پر جانیں قربان کر دیں اور زوجہ رسول علیہ السلام کے ساتھ اور بدری صحابہ کے ساتھ جنگ سے بھی گریز نہ کریں، تو اس دوران تقیہ کا کیا مطلب ؟ اور اس خلافتِ حقہ منصوصہ کا فائدہ ہی کیا ہوا کہ حصول سے قبل تبلیغ حق بھی نہ ہو سکی جو عام علماء امت بھی کر کے افضل ترین جہاد کا ثواب کما لیتے ہیں : افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر اور حصول کے بعد تنفیذ حق بھی نہ ہو سکے، بلکہ خلفاء سابقین کی موافقت و متابعت کر کے لوگوں کو یہی باور کرائیں کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ درست تھا کیا ؟ تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر پر اسی طرح عمل ہونا چاہیے اور یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم۔ والی شان حضرت امیر علیہ السلام میں بقول شیعہ نظر آ سکتی ہے کہ وہ جہاد کریں گے راہِ خدا میں اور ملامت کرنے والوں کی ملامت سے خوفزدہ نہیں ہوں گے اور کیا جس امارت کی اللہ تعالیٰ نے یہ شان بیان فرمائی ہے اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔ حضرت امیر میں بقول شیعہ وہ ڈھونڈے سے مل سکتی ہے کہ جنہیں ہم زمین میں حکومت اور تصرف عطا کریں تو وہ نمازیں قائم کرتے (اور کرلتے ہیں) اور زکوٰۃ دیتے (اور دلاتے ہیں) نیکی کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے ہیں، لہٰذا شیعہ حضرات نے یہ جواب دے کر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دین و ایمان اور عمل و کردار کو سخت داغدار کر دیا ہے اور آپ کے لیے دو اسلام جاری کرنے کا الزام عائد کیا۔ ایک ظاہر جو کہ اہل سنت کے مطابق اور موافق تھا اور دوسرا باطنی اور خفیہ جو اہل التشیع کو دستیاب ہو گیا۔ سبحانک ھٰذا بُھتان عظیم۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

قاضی نوراللہ شوستری کی توجیہ اوّل اور اس کی لغویت

قاضی نوراللہ شوستری نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اپنے زمانہ خلافت میں فدک اس کے ورثاء کے حوالے نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بیان کی کہ آپ نے رعیت اور عام اہلِ اسلام کو درست رکھنے اور ہمنوا بنانے کے لیے اسے سابقہ حالت پر برقرار رکھا کیونکہ اہلِ اسلام کی عظیم اکثریت شیخین یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے حسنِ سیرت اور خوبیٔ کردار کی معترف و معتقد تھی اور فدک لینے میں ان پر الزام عائد ہوتا تھا۔ لہٰذا بناء بر مصلحتِ وقت اس کو اسی حال پر چھوڑا، اصل عبارت بھی ملاحظہ کرلیں۔

دیگر آنکہ چوں حضرت امیر درایّامِ خلافت خود دید کہ اکثر مردم حسنِ سیرت ابوبکر و عمر را معتقد اند و ایشاں را برحق میدانند قدرت برآں نداشت کہ کارے کند کہ دلالت دلالت بر فسادِ خلافتِ ایشاں داشتہ باشد بنا برآنکہ مخالفتِ قول و فعلِ ایشاں دلیل است برآنکہ ایشاں ظالم بودہ اند و لیاقتِ خلافت حضرت پیغمبر نداشتہ الخ۔۔

(مجالس المومنین جلد اوّل ص ۵۴)

جب حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے ایامِ خلافت میں دیکھا کہ اکثر لوگ ابوبکر اور عمر کے حُسنِ سیرت کے معتقد ہیں اور ان کو خلیفہ برحق سمجھتے ہیں، تو آپ ایسے کام کی قدرت اور ہمت نہیں رکھتے تھے جو اُن کی خلافت فاسد ہونے پر دلالت کرے کیونکہ ان کے قول اور فعل کی مخالفت ان کے ظالم ہونے اور پیغمبرِ خدا کی خلافت کے لائق اور اہل نہ ہونے کی دلیل ہوتی (جبکہ آپ اہلِ اسلام کی اکثریت کے عقیدہ کے برعکس کا اظہار نہیں کرسکتے تھے، ورنہ خود آپ کی حکومت ختم ہوجاتی اور وہ لوگ مخالف ہوجاتے)

لیکن اس جواب کا سقم اور ضعف واضح ہے کیونکہ حقوق العباد اور اقامتِ عدل میں رعایا کا خوف یا ان کی دل جوئی کا خلل انداز ہوجانا، قرآن مجید کے ارشادات اور شریعت مطہرہ کے سنہری اصول کے سراسر خلاف ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو، اگر تم ایمان دار ہو، اور فرمایا

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ کہ اللہ تعالیٰ کے محب اور محبوب لوگ راہِ خدا میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہیں لاتے۔

نیز اس جواب کی روشنی میں علماءِ شیعہ نے حضرت علی مرتضیٰ فاتح خیبر اسد اللہ الغالب کو عمر بن عبد العزیز سے بھی کم تر ثابت کر دکھلایا کہ بقولِ شیعہ انہوں نے فدک اولادِ فاطمہ کے حوالے کر دیا، حالانکہ ان کے دور میں بھی سارے لوگ حضرات شیخین کی خلافتِ حقہ اور حسنِ سیرت اور خوبی کردار کے معترف تھے، مگر انہوں نے نہ تقیہ ضروری سمجھا اور نہ اس مصلحت کی رعایت ضروری سمجھی، کیا صرف حیدر کرار اور اسد اللہ الغالب رضی اللہ عنہ کے لیے ہی ایسی مصلحتوں کو ملحوظ رکھنا لازم تھا اور ایسی کمزوریوں کا مرکز بن کر رہ جانا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ!

توجیہ دوم اور اس کی لغویت

یہ توجیہ قاضی صاحب نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ذکر کی ہے کہ جب آپ سے یہی سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فدک واپس دینے میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا تھا، کیونکہ آپ کی ہجرت کے بعد حضرت عقیل بن ابی طالب نے آپ کا مکان فروخت کر دیا تھا مگر جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا، تو آپ سے عرض کیا گیا:

الحال بخانہ خود نزول باید کرد آنحضرت فرمود مگر عقیل بجہت ما خانہ گزاشتہ۔ ما از آں اہل بیتیم کہ مالے راکہ از ما بظلم گرفتہ باشند باں رجوع نمیکنیم (ج ۱، ص۵۴)

اب تو اپنے گھر میں قیام کرنا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی مکان چھوڑا ہے؟ ہم اس گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں کہ جو مال ہم سے ظلم کے ساتھ لے لیا جاتے، وہ واپس نہیں لیتے۔

اس تاریخی توجیہ میں علمائے شیعہ نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو بھی شامل کر دیا لیکن اس کے باوجود بھی بات بن نہیں سکی کیونکہ تاریخی حقائق اس کو جھٹلاتے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہیں ۔حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر اموال فیئ کا انتظام سنبھال رکھا تھا ۔ پھر بلا شرکت غیرے اس پر متصرف رہے ۔ اپنی خلافت کے دوران آپ اس پر قابض و متصرف رہے، جبکہ رسول معظم نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بطور عاریت بھی اپنے سابقہ مکان میں قدم نہیں رکھا تھا اور نہ بطور مہمان ۔ نیز حضرت امام حسن پھر حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہما) اور ان کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد کے پاس فدک کے انتظامات رہے، لہٰذا یہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ پر بہتان ہے اور سراسر غلط اور خلافِ واقع توجیہ

نیز خلافت بھی بقولِ شیعہ غصب کر لی گئی تھی، پھر آپ نے اس کو کیوں واپس لیا جبکہ وہی مالی تصرفات اس میں بھی ہیں ۔ کیا صرف اس لیے کہ اس کا دائرہ وسیع تھا اور فدک کا علاقہ محدود تھا؟ نعوذ باللہ من سخافۃ العقول ۔

قاضی نور اللہ شوستری کی بیان کردہ تیسری توجیہ اور اس کی لغویت

قاضی صاحب نے اپنے اسلاف کے حوالے سے تیسری توجیہ یہ ذکر کی ہے :

ایشاں کارہ بودند کہ فاطمہ بغصہ چیزے پیشِ خدا و رسول رود و اولاد او بداں سبب دیگر وند پس ایشاں نیز اقتدا بحضرتِ فاطمہ کردند ۔

یعنی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس امر کو پسند نہیں کرتے تھے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا تو ایک چیز کے غصب ہو جانے پر غصہ و غضب کی حالت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جا پہنچیں اور ان کی اولاد اس مال کو واپس لے کر مسرور اور خوش دل ہو، لہٰذا انہوں نے بھی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی اقتدا کی یعنی وہ بھی فدک کے غم و غصہ میں اللہ تعالیٰ اور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ گئے ۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(ا) لیکن اس توجیہ و تاویل میں سقم و سخافت اور ضعف یہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا پر تو بقول شیعہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے ظلم کیا اور آپ کے احتجاج اور مناظرے و مباحثے کے باوجود واپس نہ کیا۔ اگر وہ واپس کر دیتے، تو حضرت زہراء رضی اللہ عنہا لازماً واپس لے لیتیں، اسی لیے تو آپ نے کبھی ہبہ کا دعویٰ دائر کیا اور وہ ثابت نہ ہو سکا، تو وراثت کے قانون کا سہارا لیا وغیرہ وغیرہ تو اس میں حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی اقتدا کیسے ہو گئی؟

(ب) بلکہ اس توجیہ سے تو یہ لازم آیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی سنت پر عمل کیا۔ اگر شیخین نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو رُلایا تھا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے بچوں کو رُلانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تاکہ وہ بھی جہان سے اسی طرح غم و غصہ کے ساتھ جائیں، جس طرح حضرت بتول زہرا چلی گئی تھیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ!

(ج) علاوہ ازیں یہ جواب تاریخی حقائق کے بھی خلاف ہے جیسے کہ عرض کر چکا ہوں نیز کافی کلینی میں مندرج حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق فدک و دیگر اموال کے متعلق شرعی حکم ہی یہ تھا کہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام و خلیفہ کے تصرف میں ہو گا تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس شرعی حکم کی خلاف ورزی کیوں کی، جس سے اہلِ اسلام کے حقوق میں بھی اور اہلِ بیت کرام کے حقوق میں بھی کوتاہی اور تقصیر لازم آگئی جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے شایانِ شان نہیں۔

(د) پھر یہ بتلانا بھی شیعہ حضرات کا فرض ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فدک کس کے پاس تھا اور اس کا منتظم و متولی کون تھا؟

چوتھی توجیہ اور اس کی لغویت

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فدک اس لیے واپس نہیں لیا تھا تاکہ لوگوں کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اس تہمت سے بچ جائیں کہ آپ نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے حق میں جو گواہی دی تھی وہ ذاتی منفعت کی خاطر تھی جیسے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان پر افترا کیا تھا۔

دیگر برائے دفع تہمت تا بر عالمیان واضح شود کہ گواہی امیرالمومنین علی مرتضےٰ برائے جر نفع نبود، چنانچہ ابوبکر برا و افترا کرد۔ ص۹۵

لیکن یہ توجیہ بھی لغو اور باطل ہے اور قرآن مجید کے اس ارشاد کے سراسر خلاف ہے: وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔ نیز آپ اپنا حصہ چھوڑ دیتے اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد کا حق انہیں دے دیتے، تو وہ الزام بھی ختم ہو جاتا اور عدل و انصاف کے تقاضے بھی پورے ہو جاتے۔ علاوہ ازیں آپ کی گواہی تو ہبہ کے لیے تھی نہ کہ وراثت کے لیے اور آخری دعوٰی بھی بقول بعض علمائے شیعہ آپ نے وراثت کے متعلق دائر کیا تھا، تو آپ از روئے قانون وراثت ہی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا حصہ ان کی اولاد کو اور ازواج مطہرات کا حصہ انہیں دے دیتے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا حصہ ان کی اولاد کو دے دیتے۔ وراثت میں تو آپ نے نہ شہادت دی تھی اور نہ ہی اس کی ضرورت تھی اور نہ ہی آپ پر کوئی الزام عائد ہو سکتا تھا۔

الغرض حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلفاء سابقین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ عملی موافقت نے اس شیعی الزام و اتہام کو باطل قرار دیا اور سراسر لغو ٹھہرا دیا اور جور و ستم اور ظلم و استبداد کے سب افسانوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا اور اہل سنت کے عقیدہ و نظریہ کی صداقت و حقانیت کو دوپہر کے سورج کی طرح واضح اور آشکار کر دیا اور علمائے شیعہ اس عمل کی توجیہات میں طرح طرح کی تلبیسات سے کام لیتے ہیں، مگر بات بنتی نظر نہیں آتی۔

ہبہ اور حق وراثت کے دعاوی میں سے مقدم کونسا تھا؟

علامہ موصوف نے چلتے چلتے یہ بھی دعوٰی کر دیا تھا کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پہلے پہل ہبہ کا دعویٰ دائر کیا، مگر شہادت رد ہو جانے پر وراثت کا دعویٰ دائر کر دیا، لیکن اس تقدیم و تاخیر میں بھی محض دعویٰ پر اکتفا کیا گیا ہے جیسے کہ موصوف کی عادت ہے۔ اس ضمن میں بھی شیعی اقوال مختلف ہیں۔ سید مرتضیٰ نے ہبہ کے دعویٰ کو مقدم مانا اور توریث کو مؤخر، مگر علامہ ابن میثم بحرانی نے حق وراثت کے دعویٰ کو مقدم اور ہبہ کے دعویٰ کو مؤخر تسلیم کیا ہے، ملاحظہ ہو جلد خامس صـ۱۰۱ اور شارح ابن ابی الحدید نے اس تقدیم و تاخیر میں توقف سے کام لیتے ہوئے فرمایا: فاما انا فالاخبار عندی متعارضة یدل بعضها علیٰ ان دعوی الارث متاخرة ویدل بعضها علیٰ انها متقدمة وانا فی هٰذا الموضع متوقف۔ (شرح حدیدی ج ۱۶، صـ۲۸۶)

بہر کیف اگر ہبہ کا دعویٰ مؤخر ہو تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیان فرمودہ حدیث کو خانہ ساز کہنا غلط ہو جاتا ہے گا اور حضرت زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے بھی اس کا اعتراف لازم آجائے گا، کیونکہ ہبہ کے دعویٰ کے دائر کرنے کا جواز تبھی پیدا ہوگا، جب پہلے سے دستبردار ہو جائیں، اس لیے شیعہ حضرات کی قلبی خواہش اور سعی و کوشش یہی ہے کہ دعویٰ ہبہ کو مقدم رکھا جائے۔

سید شریف مرتضیٰ نے روایاتِ متعارضہ میں سے تقدمِ ہبہ کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے کہا: ان الحال تقتضی ان تکون البدایة بدعوی النحل یعنی ظاہر حال اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ ہبہ کا دعویٰ مقدم ہو، لیکن یہ حال بھی علمائے شیعہ کی حالت کو تقویت فراہم نہیں کر سکتا، کیونکہ ہبہ کے ساتھ قبضہ بھی پایا جاتا، تو گواہوں کی ضرورت ہی نہیں تھی، بلکہ خود قبضہ ہی دلیل ملک بن جاتا اور دوسرے اموالِ فئ پر قبضہ نہ ہوتا اور صرف اس پر قبضہ کا پایا جانا دلیل بین بن جاتا، جیسے کہ قاضی القضاۃ نے مغنی میں کہا: فلو کانت فی یدها تتصرف فیها و فی ارتفاقها کما یتصرف الناس

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فی ضیاعهم واملاکهم لما احتاجت الی الاحتجاج بآیة المیراث ولا بدعوی النحل لان الید حجة (ابن ابی الحدید ج ۱۶، ص۲۸۵) کہ اگر فدک آپ کے قبضے میں ہوتا اور آپ اس میں اور اس کی آمدنی میں تصرف فرماتی تھیں، جیسے کہ لوگ اپنی جائیدادوں اور املاک میں متصرف ہوتے ہیں، تو آپ کو آیاتِ میراث سے استدلال کی اور ہبہ کے دعوی کی ضرورت ہی نہ تھی اور نہ شہادت پیش کرنے کی، کیونکہ قبضہ ہی دلیلِ ملک تھا نیز متعدد روایات سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل اور راہ و روش کی مخالفت نہیں کر سکتا اور جو عمل اس فدک و دیگر اموال فئی میں آپ کا تھا، وہی میں بھی کروں گا اور بقولِ ابن میثم آپ اس پر راضی ہو گئیں، تو ثابت ہو گیا کہ ظاہر حال حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کا فدک پر قبضہ ثابت نہیں ہونے دیتا اور ہبہ بلا قبض مفید ملک نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں ہبہ بلا قبض کے لیے شہادت کا ہونا لازم تھا، جبکہ وراثت کے استحقاق میں شہادت کی ضرورت نہیں تھی، تو یہ ظاہر حال اس امر کا متقاضی ہے کہ وراثت کا دعوی مقدم ہو اور ہبہ کا اس سے مؤخر۔ گو اس میں حصہ کم ہی کیوں نہ ہو جاتا، لیکن قانونِ وراثت بظاہر عام تھا تو رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی املاک میں وراثت کا تحقق محتاج شہادت نہیں تھا، جبکہ ہبہ کی صورت میں سارے فدک کے حصول کا امکان تھا لیکن اس پر شہادتیں قائم کرنی پڑتی تھیں، لہذا ان دونوں جہتوں کے پیشِ نظر دعوی وراثت میں ہی سہولت تھی۔ لہذا ظاہر حال کا مقتضیٰ یہی ہے کہ دعوی وراثت مقدم ہو۔

بہرحال یہ بھی اہلِ تشیع کے لئے مستقل دردِ سر ہے کیونکہ دونوں دعوی باہم متعارض ہیں ہبہ تھا تو وراثت کی نفی ہو گئی اور حقِ وراثت تھا تو ہبہ سے دستبرداری ثابت ہو گئی، اور تقدم و تاخر میں بھی جزم اور یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

نوٹ: ہبہ کے دعوی کا دارومدار عطیہ عوفی کی روایت پر ہے جس کی حالت بیان ہو چکی، لہذا صورتِ حال واقعیہ یہ ہے کہ ہبہ کا دعوی نہ ہو سکتا تھا اور نہ ہی پایا گیا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہبۂ فدک کا بطلان تعلیماتِ نبویہ اور اُسوۂ مصطفویہ کی رُو سے

قارئین کرام! آپ نے اس ضمن میں شیعہ حضرات کی پیش کردہ دلیل کا حال تو ملاحظہ کرلیا، لیکن آیئے اس ضمن میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت اور آپ کے اپنے طرزِ عمل اور روش و کردار کی ایک جھلک دیکھ کر اندازہ کریں کیا ایسے ہبہ جات کی اس پس منظر میں کوئی وجہ جواز ہوسکتی ہے

۱۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے اپنے لیے سہولیات کا مطالبہ کیا یعنی فراخیٔ رزق وغیرہ کا، جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں مہینہ مہینہ اور دو دو ماہ تک چولہوں میں آگ بھی نہیں جلتی تھی، تو اس کے بعد آنحضرت کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ماہ تک اُن کے ساتھ میل جول نہ رکھا اور کلام و خطاب تک ترک کردیا اور مکمل بائیکاٹ کردیا اور مہینہ گزرنے پر اللہ تعالیٰ نے بھی یہ ارشاد فرمایا،

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ( )

اے میرے نبی! اپنی بیویوں سے فرمادیں، اگر تم حیاتِ دنیا اور اس کی زیب و زینت کی طلب گار ہو تو آؤ میں تمہیں وہ متاعِ دنیا دوں اور تمہیں چھوڑ دوں اچھی طرح سے اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب گار ہو اور اس کے رسول کی اور دارِ آخرت کی، تو بے شک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکوکاروں کے لئے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کیا یہ مقام تعجب نہیں کہ جن بیویوں کا خرچہ آپ کے ذمہ واجب الادا اور لازم ہے۔ اگر وہ اس کا مطالبہ کریں اور امت کی عورتوں جیسے سہولیات بھی امت کے بادشاہ کی بیویاں ہو کر طلب کریں تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ناگوار گزرے اور بائیکاٹ فرما دیں اور اللہ تعالیٰ کو بھی ناگوار گزرے اور دنیا اور اس کی سہولیات اور مال و متاع کو اپنی ذات، رسولِ گرامی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اور دار آخرت کے مقابل رکھ کر فرمائے کہ ہم سے اور آخرت سے تعلق ہے، تو دنیا چھوڑ دو اور اس کی طلب ہے، تو ہمارا تعلق ختم ہو جائے گا، لیکن جب اس صاحبزادی کا معاملہ ہو جن کا خاوند بفضلہ تعالیٰ موجود اور اخراجات کا کفیل ہے تو فوری طور پر اللہ تعالیٰ بھی فدک جیسی بقول شیعہ خطیر آمدنی والی جائیداد ان کو ہبہ کرنے کا حکم دے دے اور آپ بھی اس میں دیر نہ کریں اور ازواجِ مطہرات کو نہ وصالِ نبوی کے بعد دوسری جگہ نکاح کی اجازت ہو اور نہ ان کے لیے کوئی جائیداد ہبہ کی جائے اور نہ وراثت میں ہی بقولِ شیعہ ان کا حق ہو تو آخر بتلایا جائے کہ ازواجِ مطہرات اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے لیے زہد و ورع کے یہ دو سرے پیمانے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان ہیں اور کیا اسلام کے عدل و انصاف کو یہ تفریق اور امتیاز گہنا کر نہیں رکھ دے گا، جبکہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دونوں جہانوں کی بادشاہی بیش کی، لیکن آپ نے فقر کو اختیار فرمایا۔ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا ہاتھی دانت کے کنگن اور ہار استعمال کریں، تو آپ انہیں اتروا دیں، دروازے پر پردہ لٹکائیں، تو قدم مبارک اندر رکھنا گوارا نہ کریں اور فرمادیں تم کسی جابر بادشاہ کی بیٹی نہیں ہو، بلکہ نبی کی بیٹی ہو۔ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا چکی پیسنے اور آٹا گوندھنے وغیرہ کی مشقت کے تحت ایک لونڈی اور خادمہ کا مطالبہ کریں تو آپ اُن کو صبر و استقامت کا حکم دیں اور مزید برآں رات کو سوتے وقت چونتیس مرتبہ اللہ اکبر، تینتیس مرتبہ سبحان اللہ اور تینتیس مرتبہ الحمد للہ پڑھ کر سونے کا حکم دیں اور فرمائیں یہ خادمہ کی نسبت بہت بہتر ہے (بخاری شریف)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حضرت زہراء رضی اللہ عنہا مطالبہ بھی فرما دیں کہ اپنے ان دونوں بیٹوں کو کوئی چیز ہبہ فرمائیں، کہ میں نے حسن (رضی اللہ عنہ) کو اپنی حوصلہ مندی اور سیادت کا مظہر بنایا ہے اور حسین (رضی اللہ عنہ) کو اپنی جرأت و شجاعت بخشی ہے۔ مال و متاع قطعاً نہ بخشا۔ ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ جلد چہارم صفحہ ۱۷۶ و ۵،۱۰۵، انوار نعمانیہ جلد اوّل، صفحہ ۹۱۔

ان حقائق و واقعات اور اس تعلیم و تربیت اور عمل و کردار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ہر مسلمان یقیناً یہی سمجھتا ہے کہ وہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم ان مقدس ہستیوں کو دنیا سے بے رغبت اور متنفر دیکھنا ہی پسند فرماتے تھے اور انہیں امیر و رئیس اور نواب و سرمایہ دار بنانا قطعاً پسند نہیں فرماتے تھے، لہٰذا ہبہ کی روایت بالکل بے بنیاد ہے اور بذاتِ خود بھی غلط اور موضوع ہے اور درایت کے بھی خلاف ہے اور واقعات و حقائق کے بھی۔

جواب السادس: چھٹا جواب علامہ صاحب کا یہ تھا کہ جب حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی آیات کے جواب میں صرف ایک حدیث پڑھ دی گئی تھی اور فدک دینے سے انکار کر دیا گیا تو اس کے ردِ عمل کے طور پر آپ نے مکمل بائیکاٹ کر دیا، حتیٰ کہ وصیت فرمائی کہ میرے جنازے میں یہ دونوں شامل نہ ہوں وغیرہ، لیکن یہ ساری تقریر بوجوہ لغو و بیہودہ ہے۔

اوّل: علامہ صاحب مسئلہ فدک میں کلام کر رہے تھے۔ آپ کو اس کی نوعیت و حیثیت کے مطابق دلائل و براہین کا سہارا لینا چاہیے تھا، یعنی حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے موقف کی قوت بیان کرنی چاہیے تھی، مگر آپ نے مجالس پڑھنی شروع کر دی ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کا موقف صحیح تھا کہ بھائی کے آنے سے پہلے جہاد و قتال شروع نہیں کرنا چاہیے۔ وہ یہ نہ کہیں کہ میرے صلاح و مشورہ کا انتظار کیوں نہ کیا لہٰذا صرف زبانی وعظ و نصیحت پر اکتفا کیا، لیکن حضرت کلیم علیہ السلام ناراض ہو گئے اور ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال پکڑ کر گھسیٹنا شروع کر دیا، لیکن کیا حضرت کلیم اللہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کہ اس اقدام سے حضرت ہارون علیہ السلام کو موردِ الزام ٹھہرائیں گے اور ان کو منصب خلافت کے نااہل سمجھیں گے؟ جب نہیں! اور یقیناً نہیں تو حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی کبیدگی اور پریشانی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے موقف کے صحیح ہونے میں توقف کی کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی، بلکہ دلائل کی قوت اور دلالت پر نظر رکھی جائے گی، لہذا علامہ موصوف عوام اور جہالِ شیعہ کے سامنے مجلس پڑھتے ہوئے جو مرضی ہو کہیں، مگر اہل السنت کے مقابل دلائل پیش کرنے کی تکلیف فرمائیں، انہیں ایسی مجالس سے کیا غرض؟

دوم: جب حضرتِ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے رشتہ کا معاملہ تھا تو ڈھکو صاحب کو یاد آیا حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ تو ان کے پڑنانے لگتے تھے، مگر یہاں پر یہ یاد نہ آیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تو حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے نانے لگتے تھے اور نواسی کو اپنے نانے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار اور یارِ غار کے ساتھ اور ایک فانی متاعِ دنیا میں تنازع اور اختلافِ رائے کی وجہ سے اتنی دور تک نہیں جانا چاہیئے تھا، جبکہ وہ اسی فدک سے اخراجات کی کفالت کی ضمانت بھی دے رہے تھے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کے مطابق عمل کرنے کا عہد و پیمان بھی کر رہے تھے اور اپنا گھر بار بھی حاضر کر رہے تھے اور ابتداءِ اسلام سے اب تک کی قربانیوں کو نظر انداز کرنا اور اس نسبت اور تعلق کو نظر انداز کرنا اور ان کی عمرِ عزیز اور بزرگی کو نظر انداز کرنا لجپال گھرانے اور سرچشمہائے مہر و وفا کے شایانِ شان کس طرح ہو سکتا تھا، مگر نہ اُدھر اعتراض ہو سکتا ہے اور نہ اِدھر خاموشی اختیار کی جا سکتی ہے: ولنعم ما قال ابن ابی الحدید فسبحان اللہ ما اشد حب الناس لعقائدھم۔

سوم: حضرت زہراء رضی اللہ عنہا اپنی امہات کو خرچہ دینے کا ارادہ رکھتی تھیں یا نہیں؟ دوسری صورت تو قطعاً درست نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی انسان بقائمی عقل و خرد اس کا قول کر سکتا ہے کہ حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ تصرف اموال و املاک میں سے ازواجِ مطہرات وراثت کی حقدار نہیں، نیز اخراجات کی تعداد از پہلی صورت میں اگر فدک وغیرہ

کا انتظام دوسرا شخص کرتا اور سب کے اخراجات پورے کرتا رہتا اور وہ بھی ایسا شخص جو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا نانا ہو اور ان کی امہات میں کسی کا باپ اور دوسریوں کا انتہائی معتمد علیہ تو پھر اس قدر ناراضگی اور بائیکاٹ کرنے کی نوبت کیوں آئی۔

چہارم: بیٹی ماؤں کے مقدس ہاتھ سے خرچہ لینی تو اس کے شان ادب و احترام کے زیادہ لائق تھا؟ یا مائیں اپنی بیٹی کے ہاتھ سے اخراجات وصول کرتیں تو اس میں ان کی عظمت کا زیادہ اظہار تھا؟ بلکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بھی جھگڑتیں، تو حق تو یہ تھا کہ اپنی ماؤں کی وراثت یا ان کے اخراجات کی خاطر جھگڑتیں نہ کہ محض اپنی ذات کے لیے۔ کیا آپ کے یہ شایان تھا کہ صرف اپنی فکر کرتیں اور ان ماؤں کا ذرہ بھر خیال نہ کرتیں، جن کا نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بیٹا تھا جو کفالت کرتا نہ انہیں دوسری جگہ نکاح کی اجازت نہ ان کے لیے وراثت نہ ہبہ۔ پھر بھی اگر فکر کریں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کریں۔ آخر اس میں حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی کونسی عزت افزائی کی جا رہی ہے اور ان کے لیے ایسے بائیکاٹ اور دائمی ناراضگی ثابت کر کے ان کے مقام و مرتبہ میں کونسی عزت افزائی کی جا رہی ہے اور ان کی کونسی عظمت و رفعت اور برتری و فضیلت ثابت کی جا رہی ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ اس مذہب کی ایجاد و اختراع کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ ہر ممکن طریقے سے مقتدایان اسلام کی عظمتوں کو گھٹایا جائے اور خصوصاً اہل بیت کو نشانہ بنایا جائے اور مقربان بارگاہ نبوی کو مورد طعن و تشنیع قرار دیا جائے۔

جواب السابع: ساتویں جواب میں بھی علامہ موصوف فدک پر دلائل پیش کرنے کی بجائے مجلس پڑھتے ہی نظر آتے اور قیاس شعری سے کام لیتے ہوئے کہا کہ بخاری و مسلم کی روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو ناراض کیا اور یہ بھی انہیں سے ثابت ہے کہ جو اُن کو ناراض کرے، اُس نے اللہ تعالیٰ کے رسول کو ناراض کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کے رسول کو ناراض کیا، اس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا اور جو اللہ اور رسول کو ایذا دیتا ہے، وہ دنیا و آخرت میں ملعون ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لہذا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے نانا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھاوج حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے خاوند یارِ غار اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے امام، حیاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں امت کے نائب امام ملعون ٹھہرے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ جن کی وفات کے بعد اور اپنے دورِ خلافت میں بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ افضلیت و خیریت کی گواہی دیتے رہے اور اُن کی وفات کو اُمت کے لیے بلکہ خود اسلام کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان قرار دیتے رہے اور ان جیسے نیک اعمال کے لیے اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرتے رہے وغیر ذالک جو کہ مفصل طور پر بیان ہو چکے، بلکہ قرآن مجید سے اور خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بیسیوں آیات اور بے شمار احادیث میں ان کے فضائل بیان کیے جا چکے ہیں، ان پر ایک نظر ڈال لیں اور پھر اس اختراعی اور وہمی مقدمات پر مشتمل قیاسِ شعری کی حقیقت معلوم کریں۔

اوّل، پہلی خرابی اس قیاس میں یہ ہے کہ ناراض ہونے اور ناراض کرنے میں جو واضح اور نمایاں فرق ہے اس کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اگر فدک کے بارے میں حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست سنی ہوئی حدیث بیان کی تو اس میں ناراض کرنے والی کونسی بات تھی؟ اگر تقسیمِ فدک میں عملِ رسول بتلایا اور اسی پر کاربند رہنے کا عہد کیا تو اس میں ایذا رسانی کا کونسا پہلو تھا اور اگر بقولِ شیعہ فدک پر ہبہ کے دعویٰ کے گواہ طلب کیے اور نصاب شہادت پورا کرنے کے لیے کہا تو اس میں ناراض کرنے یا ایذا پہنچانے والی کونسی بات ہے یہ تو انہیں کے ابا جان کی شریعت کے ابدی اُصولوں کی پیروی تھی، جو سب کے لیے یکساں تھے، لہذا جب ناراض کرنا ہی بے بنیاد دعویٰ ٹھہرا تو اس پر موقوف ساری شاعری لغو ہو گئی۔

دوم، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سات باغات میں سے اپنا حصہ طلب کیا تھا مگر آپ نے کہا یہ مال وقف ہے، اس میں وراثت جاری نہیں ہو سکتی تو کیا یہاں بھی کہا جائے گا کہ آپ نے حضرتِ عباس رضی اللہ عنہ کو ناراض کیا اور ان کو ایذا پہنچائی، حالانکہ وہ آپ کے دادے تھے اور ان کو ایذا پہنچانا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانا ہے اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

آپ کو ایذا پہنچانا اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانا ہے وغیرہ اور اگر یہاں یہ قیاس درست نہیں، کیونکہ آپ نے تو شرعی حکم بیان کیا تھا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ناراض کرنا یا ایذا دینا ہرگز ہرگز آپ کا مقصد نہیں تھا، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی یقیناً یہ قیاس درست نہیں ہے۔

سوم، اگر شیعہ حضرات ایسی ترتیب دے کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نشانہ بنا سکتے ہیں، تو خارجیوں کو بھی یہ موقعہ مل سکتا ہے کہ وہ ان مقدماتِ دلیل کو مرتب کر کے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کو دنیوی مال کی خاطر اپنے والدِ گرامی کی شریعت کا مخالف ثابت کریں، کیونکہ اختلافی امور کو قرآن و سنت کی طرف لوٹانا ضروری ہے اور قرآن نے ان اموال کو فیئ قرار دیا اور ان کے مصارف بیان کر دیئے، جس سے بصراحت ذاتی ملکیت ہونے کی نفی ہوتی ہے اور احادیث میں بھی ان اموال کو حاکمِ اسلام کے زیرِ تصرف املاک اور قومی اموال قرار دیا گیا ہے جو شیعہ و سنی دونوں کی کتابوں میں مروی و منقول ہیں تو اس طرح حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کا حدیث بیان کرنے پر ناراض ہونا گویا شرع کو رد کرنا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے، فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ (مجھے قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک تمہیں اپنے اختلافات میں حاکم اور فیصل نہ مانیں، پھر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اس سے جو تم نے فیصلہ کیا اور مانیں، جیسے کہ حق ہے ماننے کا۔

تو کیا شیعہ حضرات ان خارجیوں کے اس قیاس اور اس کے نتیجہ کو تسلیم کر لیں گے۔ العیاذ باللہ

چہارم: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان فرمائی اور ان کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق کا اعزاز بخشا ہے، جیسے کہ بحوالہ تمی عرض کیا جا چکا ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو الخلیفۃ الصدیق تسلیم کیا جیسے کہ ابن میثم کے حوالے سے عرض کیا جا چکا ہے اور ان کی طرف سے حق کی تصدیق اور باطل کے ابطال کا بھی اعتراف فرمایا اور امام محمد باقر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا،

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نعم صدیق نعم صدیق نعم صدیق من لم یقل له الصدیق فلا صدق الله قولا فی الدنیا ولا فی الاخرۃ۔

ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں، ہاں وہ صدیق ہیں، جو انہیں صدیق نہ کہے اللہ اس کو دنیا و آخرت میں سچا نہ کرے، تو ایسی صورت میں آپ کو سچا نہ ماننے والا کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھٹلانے کی جسارت نہیں کر رہا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی جھٹلانے کی اور امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کی روایت کی رُو سے وہ دُنیا و آخرت میں جھوٹا قرار دیئے جانے کا حقدار نہیں ہے، لہٰذا اس روایت کو خانہ ساز کہنا قطعاً غلط ہے اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی طرف اسے جھٹلانے کی نسبت یقیناً بے بنیاد ہے اور ناکردہ گناہ کسی سے بائیکاٹ کرنے کا شریعتِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں نہ کوئی جواز ہے اور نہ ایسی مقدس ہستیاں ایسے کر سکتی ہیں، یہ سراسر افسانے ہیں، جیسے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے اور حضرت امام ابوجعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے ان حضرات کی برأت اور ان کے اس عمل و کردار کی درستگی اور صحت ثابت ہو چکی اور بالخصوص عمل مرتضےٰ رضی اللہ عنہ سے۔

پنجم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انصار کو اپنا خلیفہ نصب کرنے سے باز رکھنے کے لیے جب حدیث بیان فرمادیں: الائمۃ من قریش کہ خلفاء و حکام قریش سے ہی ہوں گے، تو وہ آپ کو سچا بھی مانیں اور اپنے موقف سے دستبردار بھی ہو جائیں اور اپنے شہر اور علاقے میں بطور بنیاد حاصل کرنے کے آنے والوں کو اپنا حاکم بنالیں مگر قومی ملکیت سے تعلق رکھنے والے فدک کے متعلق وہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کریں، تو اُن کی نواسی انہیں جھٹلا دے اور ان سے مکمل بائیکاٹ کر دے تو کیا علماء شیعہ سے پوچھا جا سکتا ہے کہ تمہارے افسانوں کے مطابق حدیثِ رسول کی قدر انصار نے زیادہ کی تھی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر نے اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سسر اور یارِ غار کا احترام انصار نے زیادہ کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کی صاحبزادی نے اور انصار اپنی حکومت چھوڑنا گوارا کرلیں اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا مختصر سا قطعۂ زمین چھوڑنا گوارا نہ کریں جس کی آمدنی بھی خود اُن پر اور اُن کی ماؤں اور دیگر بنو ہاشم پر خرچ کرنے کی ضمانت دی جا رہی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کی امین اور آپ کے ورع و زہد اور توکل کی مظہر اتم حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے یہ شایانِ شان تھا کہ اس فدک کی خاطر وہ حدیث شریف کو نظر انداز کریں، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی بزرگی کو نظر انداز کریں اور حطامِ دنیا کی خاطر مکمل بائیکاٹ کریں بلکہ صحیح روایات وہی ہیں، جن میں حدیث سُن کر آپ نے سکوت اختیار فرمایا اور نبوی طرزِ عمل اپنانے کے صدیقی معاہدے پر رضامندی کا اظہار فرمایا جن کی تفصیلات گزر چکی ہیں یعنی نہ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو ناراض کیا اور نہ ایذا پہنچائی اور نہ ہی حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا اُن پر ناراض ہوئیں اور نہ مکمل یا غیر مکمل بائیکاٹ ہی پایا گیا اور نہ ہی یہ ان کے شایانِ شان ہے جیسے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا، ہم نے فدک کی سخاوت کردی اور اسے ہم نے کیا کرنا ہے، جبکہ کل تک بھی زندہ رہنے کی امید نہیں ہے۔

حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی رضامندی کے لیے شیخین کی مساعی جمیلہ

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ناراض کرنے اور انہیں ایذا پہنچانے کا قطعاً کوئی اقدام نہیں کیا، لیکن بایں ہمہ بشری تقاضوں کے تحت بعض روایات کے مطابق ان کے دلِ اقدس پر جو غبار تھا اور پریشانی پائی گئی تھی، تو اسے دُور کرنے اور آپ کو خوش و خرم اور راضی کرنے کے لیے کونسی ممکنہ صورت تھی جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اختیار نہ کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی امداد و اعانت میں مقدور بھر سعی اور کوشش سے گریز نہ کیا، جس سے ان حضرات کی عقیدت اور اخلاص نیمروز کی طرح ظاہر ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ان متقدایانِ اُمت کے ساتھ اتفاق و اتحاد بھی ظاہر اور واضح ہوتا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

صاحبِ علل الشرائع نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی طویل روایت نقل کی ہے، جس سے ضروری حصّہ پیش خدمت ہے۔ فلما مرضت فاطمة مرضها الذی ماتت فیه اتیاها عائدین واستاذنا علیها فابت ان تاذن لهما فلما رأی ذالك ابوبکر اعطی الله عهداً الا یظله سقف بیت حتی یدخل علی فاطمة ویترضاها فبات لیلة فی الصقیع ما اظله شیئ ثم ان عمر اتی علیا فقال ان ابابکر شیخ رقیق القلب وقد کان مع رسول الله فی الغار فله صحبة وقد اتینا غیر هذه المرة مراراً نرید الاذن علیها وهی تابی ان تاذن لنا حتی ندخل علیها ونترضاها فان رءیت ان تستأذن لنا فافعل قال نعم

فدخل علی علی فاطمة علیها السلام فقال یا ابنة رسول الله قد کان من هذین الرجلین ما قد رأیت وقد ترددا مراراً کثیرةً ورددتهما ولم تاذنی لهما وقد سألانی ان استاذن لهما علیك (الی) قال علی قد ضمنت لهما ذالك قالت ان کنت قد ضمنت لهما شیئاً فالبیت بیتك والنسأ تتبع الرجال ولا اخالف علیك بشیئ فاذن لمن احببت فخرج علی فاذن لهما

(علل الشرائع مصنفہ ابن بابویہ قمی صتے۔ ناسخ التواریخ از کتاب دوم۔ صفحہ ۱۲۶ تا ۱۲۸)

یعنی جب حضرت زہرا رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں، جس بیماری میں ان کا وصال ہو گیا، تو ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی، آپ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ وہ اس وقت تک کسی مکان کی چھت کے نیچے سایہ حاصل نہیں کریں گے، جب تک وہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں راضی نہیں کر لیں گے، چنانچہ آپ نے ایک

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

رات حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے دروازے پر سخت سردی میں بیٹھے بیٹھے گزار دی۔
پھر حضرت عمر، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ ابوبکر صدیق
بہت نرم دل بزرگ ہیں، صحابیٔ رسول بھی ہیں اور یارِ غار بھی اور ہم اس سے پہلے
بھی کئی مرتبہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور اندر حاضر
ہونے کی اجازت طلب کی ہے، لیکن آپ اجازت نہیں دیتیں تاکہ ہم حاضر ہو کر ان
کو راضی کر سکیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ہمارے لیے اذن طلب کریں تو آپ نے فرمایا
ہاں ٹھیک ہے۔ چنانچہ آپ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور
کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر! ان دونوں حضرات سے جو کچھ
سرزد ہوا، وہ آپ کے علم میں ہے اور وہ کئی دفعہ حاضر ہوئے ہیں اور آپ نے
ان کو لوٹا دیا ہے اور اندر آنے کی اجازت نہیں دی۔ اب انہوں نے مجھ سے مطالبہ
کیا ہے کہ میں آپ سے ان کے لیے اذن طلب کروں (تا) اور میں نے اُن کے
لیے اذن و اجازت کی ذمہ داری قبول کر لی ہے، تو آپ نے فرمایا اگر آپ نے اجازت
کی ذمہ داری قبول کر لی ہے تو گھر تمہارا ہے اور عورتیں مردوں کے تابع ہوا کرتی
ہیں، میں آپ کی کسی طرح کی مخالفت نہیں کروں گی، جس کو اندر آنے کی اجازت
دینا چاہو، اجازت دے دو؛ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور ان
دونوں حضرات کو اندر آنے کی اجازت دے دی الخ

اس روایت میں غور و خوض کرنے سے ان دونوں حضرات کی حضرت زہرا
رضی اللہ عنہا سے محبت و عقیدت بھی واضح ہوتی ہے اور ان کے راضی کرنے کے
لیے ان کی مساعیٔ جمیلہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ان سے ہمدردی اور اخلاص
اور اس طرح کی کوششوں کے باوجود اگر نواسی اپنے نانے سے راضی نہیں ہوتیں؛
جبکہ انہوں نے صرف حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سُنائی اور عملِ رسول صلی اللہ
علیہ وسلم بیان فرمایا اور اس عمل کی خلاف ورزی کرنے پر راہِ راست سے ہٹ
جانے اور اُخروی مواخذے کا اندیشہ ظاہر کیا، تو اس سے حضرت صدیق اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حضرت عمر رضی اللہ عنہا کی ذاتوں پر کوئی حرف آنے کی بجائے خود حضرت زہرا، کی شخصیت متاثر ہو جاتے گی، لہٰذا اندریں صورت بھی ان کے لیے مکمل پائیکاٹ ثابت کرنا ان سے کسی عقیدت کا اظہار نہیں بلکہ بد ترین دشمنی اور عداوت کا اظہار ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے مہاجرین کس قدر مال و دولت اور ساز و سامان اور گھر بار چھوڑ کر اور درویش و فقیر بن کر وطن سے سینکڑوں میل دور جا کر ڈیرے لگائیں اور انصار ان کے لیے اپنا مال وزر اور ساری پونجی قربان کر دیں اور دنیا کو پیا را نہ سمجھیں لیکن سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر کو متاع دنیا سے اس قدر پیار ہو کہ سات باغات قبضے میں ہونے کے باوجود صرف فدک کے بیت المال کا حصہ بن جانے پر اور امت کے یتامیٰ و مساکین، مسافروں اور مہمانوں یہ جہاد کے لیے ضروری ساز و سامان کی خریداری میں استعمال کیے جانے پر اس قدر ناراض ہو جائیں کہ وہ ناراضگی ایسے بزرگوں کی منت سماجت اور در پر پڑے رہنے کے باوجود دور ہی نہ ہو سکے، تو یہ قطعاً ان کے شایانِ شان نہیں، اور ایسے قصے گھڑنے اور بیان کرنے میں ان کی کسرِ شان اور تنقیص و توہین کا مکمل ساز و سامان اور اہتمام و انتظام ہے۔

حضرت سیدۂ زہرا رضی اللہ عنہا کی رضامندی

قبل ازیں متعدد حوالہ جات حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی رضامندی کے گزر چکے ہیں، ان پر پھر نگاہ ڈال لیں:

۱۔ ابن میثم نے شرح نہج البلاغہ میں ذکر کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا لك علیّ اللہ ان اصنع بها کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصنع فرضیت بذالك الخ۔ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی ضامنی دیتا ہوں کہ میں فدک میں وہی عمل کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے تو آپ اس پر راضی ہو گئیں ـــــ اور یہی روایت صاحبِ درۂ نجفیہ نے بھی ذکر کی ہے،

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

۲۔ محجاج السالکین میں بھی بالکل یہی تصریح موجود ہے کما نقلہ عنہ الشاہ عبد العزیز۔ تحفہ اثناء عشریہ ص۲۷۹

۳۔ شرح حدیدی میں ابوبکر احمد بن عبد العزیز جوہری کے حوالہ سے مذکورہ اس مضمون کی روایت بھی ذکر کی جا چکی ہے کہ جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جو کچھ تم نے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، اسے زیادہ بہتر جانتے ہو۔ انت وما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلم اور یہی روایت فتح الباری شرح بخاری میں بھی مذکور ہے اور کتب اہل السنت میں رضامندی زہرا رضی اللہ عنہا کی تصریح بھی موجود ہے اور اس فدک کو ابوبکر کی دیانت و امانت پر چھوڑنے کی تصریح موجود ہے۔

۴۔ روی البیہقی من طریق الشعبی ان ابابکر عاد فاطمۃ فقال لہا علی ھذا ابوبکر یستاذن علیک قالت اتحب ان اذن لہ قال نعم فاذنت لہ فدخل علیہا فترضاھا حتی رضیت۔ (فتح الباری شرح بخاری، جلد ۶، ص۱۳۹)

یعنی بیہقی نے شعبی کے واسطے سے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی عیادت اور بیمار پرسی کے لیے ان کے در پر حاضری دی تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ ابوبکر دروازے پر موجود ہیں اور اندر آنے کے لیے اجازت کے طلب گار ہیں، تو آپ نے پوچھا کیا تمہیں یہی پسند ہے کہ میں انہیں اندر آنے کی اجازت دے دوں۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اندر آئے اور آپ کو راضی کرنے کے لیے جدوجہد کی حتیٰ کہ آپ راضی ہو گئیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کے روایتی اور درایتی پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے فرمایا: وھو وان کان مرسلاً لکن اسنادہ الی الشعبی صحیح وبہ یزول الاشکال فی جواز تمادی فاطمۃ علیہا السلام علی ھجر ابی بکر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یہ روایت اگرچہ مُرسل ہے لیکن شعبی تک اس کا اسناد صحیح ہے اور اس روایت سے اتنی مدت تک حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے تعلق توڑنے اور سلام و کلام ترک کئے رکھنے پر وارد ہونے والا اشکال دور ہو جائے گا (کہ بغیر وجہ شرعی کے ترکِ تعلق اور ہجرانِ سلام و کلام ممنوع ہے تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے ہجران اور قطعِ تعلق کا ارتکاب کیوں کیا) تو اگر شعبی کی یہ روایت ثابت ہے، تو اس نے اس اشکال اور سوال کو زائل کر دیا اور اس معاملہ میں موزوں و مناسب بھی یہی ہے کہ واقعہ و حقیقت اسی طرح ہو کیونکہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا علمِ دین میں کمال اور عقلمندی میں اعلیٰ مقام اور تقویٰ و ورع میں کمال ہر ایک کو معلوم ہے اور معروف و مشہور زمانہ بھی ہے (جو اس قسم کے بائیکاٹ اور ترکِ سلام و کلام کے سراسر منافی ہے)

سوال ، بخاری شریف جیسی کتاب میں مذکور ہو کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے وصال تک کلام نہ کیا اور ناراض رہیں، تو اس کے مقابل بیہقی کی روایت کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟

جواب ، بخاری کی روایت میں قطعاً یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ناراض ہوں اور میں نے اس ناراضگی کی وجہ سے ان سے سلام و کلام ترک کئے رکھا ہے، بلکہ وہ راوی کا اپنا ظن و گمان ہے اور اندازہ و تخمینہ، جیسے کہ علامہ عینی نے فرمایا (احتمال ان مت بینهما فعبر الراوی عن ذالك بالهجران (ج ۱۵، ص ۲۰) حقیقت صرف اتنی تھی کہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر میں بیٹھے رہنے کا التزام کر لیا تو راوی نے اس کو ہجران اور ترکِ تعلق سے تعبیر کر دیا ——— علاوہ ازیں حضرت صدیق نے حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہما) والے لشکر کو تو شام کی طرف روانہ کر دیا اور ان کے بعد تھوڑے سے صحابہ کرام کے ہمراہ مدینہ منورہ سے دور ڈیرہ ڈالے رہے اور مرتدین و مفسدین کے خلاف برسرِ پیکار رہے تو اس دوران ملاقات کیسے ثابت ہو سکتی تھی اور سلام و کلام کے ترک کرنے کا اور ایک دوسرے سے منہ موڑنے کا مشاہدہ چھ ماہ تک کیسے ہوتا رہا؟ لہذا بخاری شریف میں مذکور ہونے سے باعتبار سند کے تو اس کی قوت ثابت ہوتی ہے لیکن مضمون اور مفہوم کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لحاظ سے قطعیت ثابت نہیں ہو سکتی، جبکہ تعلق و ربط کا برقرار رہنا اور باہمی رضامندی کا پایا جانا ہی ان کے شایانِ شان ہے اور قولِ باری تعالیٰ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ کے عین مطابق ہے اور اس کا خلاف ان کے شان کے خلاف ہے، لہذا عقل و درایت بیہقی کی روایت کے مضمون و مفہوم کی تقویت اور اس کی ترجیح کا فائدہ دیتے ہیں اور جب ایک قول میں از روئے سند و روایت قوت ہو اور دوسرے قول میں از روئے درایت و قیاس تو اب فیصلہ اس قاعدہ سے کیا جائے گا کہ جب مثبت اور نافی میں تعارض ہو تو مثبت کو ترجیح ہوگی نہ کہ نافی کو جبکہ شعبی والی روایت حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی رضامندی ثابت کرتی ہے اور بخاری شریف والی روایت نفی ثابت کرتی ہے تو لامحالہ شعبی کی روایت کو ترجیح حاصل ہوگی کیونکہ نفی کرنے والے کے لیے بہت زیادہ محیط اور شامل علم کی بہت ضرورت ہوتی ہے، مثلاً ترک سلام و کلام اور رضامندی کی نفی وہی کر سکتا ہے جو پوری ششماہی شب و روز حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے دروازے پر بیٹھا رہا ہو، اور چند منٹ کے لیے بھی اِدھر اُدھر نہ گیا ہو اور سلام و کلام اور رضامندی ثابت کرنے کے لیے انہیں چند منٹوں میں موقع پر موجود ہونا کافی ہے، لہذا جس قطعی علم کی نفی کے لیے ضرورت ہے، اس کا پایا جانا بعید اور تقریباً ناممکن ہے اور اثبات کے لیے جس علم کا پایا جانا ضروری ہے، وہ سہل اور ممکن قریب ہے، لہذا از روئے متن اور مضمون و مفہوم شعبی اور بیہقی کی روایت ہی راجح اور وزنی ہوگی اور اسی کی تائید و تصدیق حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل اور حضرات ائمہ زین العابدین، حضرت زید، حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم کے ارشادات اور تعریف و توصیف اور ان حضرات کی زبانی حضرت ابوبکر و عمر کی برأت اور علو شان و مرتبت کے اقرار و اعتراف سے ہوتی ہے فهذا هو الحق وماذا بعد الحق الا الضلال اور یہ معروض خدمت ہو چکا کہ ہجران اور ترک تعلق وغیرہ محض راوی کا گمان ہے تو اس کو ان تصریحات کے مقابل کیا وقعت دی جا سکتی ہے۔

۵۔ علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں شعبی سے مروی و منقول

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اس روایت کو مکمل طور پر ذکر کیا ہے، ذرا اسے بھی ملاحظہ فرمالیں:

ا۔ روی البیہقی، عن الشعبی قال لما مرضت فاطمۃ رضی اللہ عنہا اتاھا ابوبکر رضی اللہ عنہ فاستاذن علیہا فقال علی رضی اللہ عنہ یا فاطمۃ ھذا ابوبکر یستاذن علیک فقالت أتحب ان اذن لہ قال نعم فاذنت لہ فدخل علیہا یترضاھا فقال واللہ ما ترکت الدار والمال والاھل والعشیرۃ الا ابتغاء مرضاۃ اللہ ومرضاۃ رسولہ ومرضاتکم اھل البیت ثم ترضاھا حتی رضیت (صفحہ ۲۰، ج ۱۵)

پہلے حصّے کا ترجمہ گزر چکا، آخری حصّے کا ترجمہ یہ ہے کہ جب ان کو راضی کرنے لیے اندر داخل ہوئے تو کہا اللہ کی قسم میں نے اپنے گھر اور مال ومتاع اور اہل وعشیرت کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ اہل بیت کی رضامندی کے لیے ترک کر دیا تھا، پھر ان کو راضی کرنے کے لیے پوری کوشش کی، حتّٰی کہ وہ راضی ہو گئیں۔

وھذا اقوی جید والظاھر ان الشعبی سمعہ من علی رضی اللہ عنہ او ممن سمعہ من علی۔ یہ روایت قوی اور عمدہ ہے اور یقینی امر ہے کہ شعبی نے اس کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے یا ان سے جنہوں نے حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے سنا۔

ب۔ وقد ذکر فی کتاب الخمس تالیف ابی حفص بن شاھین عن الشعبی ان ابا بکر قال لفاطمۃ یا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما خیر عیش حیاۃ اعیشھا وانت علیّ ساخطۃ فان کان عندک من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذالک عھد فانت الصادقۃ المصدقۃ المامونۃ علی ما قلت قال فما قام ابوبکر حتی رضیت ورضی۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۱۵، صفحہ ۲۰)

ابوحفص بن شاہین کی تالیف کردہ کتاب الخمس میں شعبی سے مروی یہ قول مذکور ہے کہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر! یہ کوئی اچھی اور پسندیدہ گزران والی زندگی نہیں ہے جو میں گزار رہا ہوں جبکہ تم مجھ پر ناراض ہو تو اگر آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس معاملہ میں کوئی عہد ہے، تو آپ سچی ہیں اور تصدیق کی ہوئی اور قابلِ اعتماد ہو اپنے قول میں (لہٰذا میں فدک تمہارے حوالے کر دیتا ہوں) شعبی نے کہا پس ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے نہ اٹھے، حتیٰ کہ آپ ان سے راضی ہو گئیں اور وہ آپ سے راضی ہو گئے۔

ج۔ ابن ابی الحدید نے جوہری کے حوالے سے جو روایت ذکر کی تھی جس میں فانت وماسمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ موجود ہیں۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ عینی نے فرمایا: ھٰذا ھو المظنون بھا واللائق بامرھا وسیادتھا وعلمھا ودینھا (ج ۱۵، ص ۳)

آپ کا معاملۂ فدک کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی زبانی حدیث سن کر ان کے سپرد کرنے کا ہی ان کے متعلق حسنِ ظن ہے اور ان کے ورع وزہد اور سیادت اور علم و دین کے لائق اور شایانِ شان بھی یہی ہے (نہ کہ ناراض ہو جانا اور ہمیشہ کے لیے مکمل بائیکاٹ کر دینا)

فائدہ: آپ نے شیعہ کی روایت میں بھی ان حضرات کا راضی کرنے کے لیے جانے کا واقعہ ملاحظہ فرمایا اور اہل السنت کی روایات میں بھی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی سفارش بھی دونوں میں ملاحظہ فرمائی لیکن شیعہ حضرات نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو اجازت دینے کے باوجود منہ دوسری طرف پھیرتے اور کلام سے گریز کرتے دکھایا، لیکن اہل السنت کی روایات میں رضامندی کی تصریح ملاحظہ کی، اب یہ فیصلہ آپ پر ہے کہ ان میں سے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے شایانِ شان روایت کونسی ہے؟ یقیناً آپ کا ضمیر اس گھرانہ کی وسعتِ ظرف، عالی حوصلگی اور متاعِ دنیا سے گریز و پرہیز کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسی روایت کو ترجیح دے گا، جس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عذر کی قبولیت اور رضامندی کا تذکرہ ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ناراضگی

اہل السنت کے نزدیک حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اپنی تمام تر رفعتِ مرتبت اور بلندئ درجت کے باوجود بالکل بشری تقاضوں سے مبرا اور معرّیٰ نہیں تھیں، لہٰذا اگر واقعی آپ ناراض ہوگئی تھیں تو یہ بھی بشری تقاضے کے تحت تھا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو ناراض کیا تھا اور نہ ایذا پہنچائی تھی، لہٰذا ان پر اس وجہ سے کوئی الزام عائد نہیں کیا جا سکتا اور انہوں نے بار بار راضی کرنے کے لیے حاضر ہو کر اور سرد راتیں ان کے در پر بیٹھ کر گزار دیں اور ہر ممکن تدبیر راضی کرنے کی اختیار فرمائی، جو ان کے شانِ نیاز اور اخلاص اور محبت وعقیدت کے عین مطابق تھا اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے راضی ہو کر اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خوش کر کے اپنے شایانِ شان امر کا اظہار کیا، لہٰذا ہم کسی کی ذات کو موردِ الزام ٹھہرانے کا تصور تک نہیں کر سکتے اور قرآن مجید نے حضرت کلیم اور حضرت ہارون علیہما السلام کا باہمی معاملہ ذکر فرما کر ہماری رہنمائی کا حق ادا فرمایا ہے۔

لیکن اگر شیعہ حضرات کو ان مقدمات کے ترتیب دینے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات کو موردِ الزام ٹھہرانے کا بہت شوق ہے تو ان کی ضیافتِ طبع کے لیے ان کی مستند کتب سے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ناراضگی اور ان کی طرف سے ایذا پانے اور ان کا گھر چھوڑ کر اپنے بچوں کو ہمراہ لے کر رسولِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تشریف لے جانے کا ثبوت فراہم کر دیتے ہیں، اگر وہ اپنے بیان کردہ قیاس اور دلیل وحجت کو یہاں جاری کر دیں، تو پھر ہم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی انہیں معذور سمجھ سکتے ہیں، اور اگر یہاں نہ صرف وہ مقدمات مرتبہ اور دلیل وحجت بھول جائے، بلکہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو موردِ الزام ٹھہرانے پر آمادہ دکھائی دیں تو آخر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں ان پر ناکردہ گناہ اس ناراضگی سے رسولِ پاک صلی اللہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کیسے ثابت ہوگئی اور اُن کا العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ دُنیا و آخرت میں ملعون ہونا کیسے ثابت ہوگیا؟ کیا یہ واضح اور کھلی نا انصافی نہیں اور عدل و انصاف کا دوسرا پیمانہ نہیں، جس کی خدا تعالیٰ کے آخری و ابدی دین قویم میں کوئی گنجائش نہ ہے، نہ ہوسکتی ہے۔ اب اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں: ثم قال (الامام ابوعبداللہ علیہ السلام) انہ جاء شقی من الاشقیاء الیٰ فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہا اما علمت ان علیا قد خطب بنت ابی جہل فقالت حقا ما تقول فقال حقا ما اقول ثلث مرات فدخلہا من الغیرۃ مالا تملک نفسہا (الی) قال فاشتد غم فاطمۃ من ذالک وبقیت متفکرۃ حتی امست وجاء اللیل حملت الحسن علی عاتقہا الایمن والحسین علیٰ عاتقہا الایسر واخذت بید ام کلثوم الیسریٰ بیدھا الیمنیٰ ثم تحولت الیٰ حجرۃ ابیہا (الی) فلما رأی النبی علیہ السلام ما بفاطمۃ من الحزن والغم و ذالک انہ خرج من عندھا وھی تتقلب وتتنفس الصعداء فلما رأھا النبی علیہ السلام انہا لا یھنئہا النوم ولیس لہا قرار قال لہا قومی یا بنیۃ فقامت فحمل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحسن وحملت فاطمۃ الحسین واخذت بید ام کلثوم فانتھی الیٰ علی علیہ السلام وھو نائم (الی) فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما علمت ان فاطمۃ بضعۃ منی وانا منہا فمن اذاھا فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ ومن اذاھا بعد موتی کان کمن اذاھا فی حیواتی ومن اذاھا فی حیواتی کان کمن اذاھا بعد موتی فقال علیؓ والذی بعثک بالحق نبیا ما کان منی مما بلغہا شیئ ولا حدثت بہا نفسی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صدقت وصدقت الخ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

(علل الشرائع مؤلفہ ابن بابویہ قمی ص۷۳، ناسخ التواریخ جلد ۱ ص۱۲۵)

پھر امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک بدبخت شخص آیا اور اس نے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) نے ابوجہل کی بیٹی کو پیغام نکاح بھیجا ہے تو آپ نے تین مرتبہ اس سے دریافت کیا واقعی جو تو کہہ رہا ہے برحق ہے، تو اس نے تینوں مرتبہ کہا جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ بالکل برحق اور سچ ہے، تو آپ کے اندر اس قسم کی غیرت داخل ہو گئی کہ آپ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکیں، تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا غم و اندوہ سخت ہو گیا اور آپ اس خبر سے فکرمند رہیں حتٰی کہ وقتِ شام آپہنچا اور رات چھا گئی، تو آپ نے حضرت حسن کو دائیں کندھے پر اور حضرت حسین کو بائیں کندھے پر بٹھایا اور ام کلثوم کا بایاں ہاتھ اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑا، پھر اپنے والد گرامی کے مکان کی طرف منتقل ہو گئیں (تا) جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے حزن و ملال اور غم و اندوہ کو مشاہدہ فرمایا، کیونکہ جب آپ ان کے پاس سے نکلے، تو وہ بستر پر کروٹیں لے رہی تھیں اور ٹھنڈے سانس بھر رہی تھیں، تو جب آپ نے دیکھا کہ انہیں خوشگوار نیند نہیں آ رہی اور نہ ہی سکون و قرار ہے، تو آپ نے فرمایا اے میری بیٹی! اُٹھیے! چنانچہ آپ اُٹھ کھڑی ہوئیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن کو اٹھا لیا اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے حضرت حسین کو اُٹھا لیا اور حضرت ام کلثوم کا ہاتھ پکڑ لیا، پس انہیں ساتھ لے کر حضور نبی معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، جبکہ وہ مسجد میں سوئے ہوئے تھے تو انہیں فرمایا، اے ابوتراب! اُٹھیے۔ فکم ساکن (ترجمہ تم نے کتنے پُرسکون لوگوں کا سکون غارت کر دیا ہے (تا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے علی! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے اور میں اس سے ہوں، یعنی دونوں بمنزلہ شئے واحد کے ہیں، جس نے اسے ایذاء دی اُس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی، اُس نے اللہ تعالٰی کو ایذا دی اور جس نے اسے میری وفات کے بعد ایذا دی تو وہ اُس شخص کی مانند ہے جس نے اسے میری زندگی میں ایذا دی اور جس نے اس کو میری زندگی میں ایذا دی تو وہ اس شخص کی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مانند ہے جس نے اس کو میری وفات کے بعد تکلیف پہنچائی" تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، ہاں کیوں نہیں ! مجھے یہ حقیقت معلوم ہے تو آنحضرت کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر تجھے دوسری شادی کرنے اور حضرت زہرا بتول (رضی اللہ عنہا) کو ایذا اور تکلیف دینے کا کونسا موجب اور باعث پیش آیا" تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، مجھے اس ذاتِ اقدس کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بناکر مبعوث فرمایا، میری طرف سے قطعاً کوئی ایسی چیز وقوع پذیر نہیں ہوئی جو انہیں پہنچی ہے اور نہ ہی کبھی میرے دل میں ایسا خیال ہی پیدا ہوا" تو آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا اور فاطمہ نے بھی سچ کہا۔

اقول ، اس روایت سے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا غم واندوہ اور اضطراب و بے قراری اور ایذا و تکلیف محسوس کرنا واضح ہے، حتیٰ کہ آپ خود بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر سے تشریف لے گئیں اور اپنے صاحبزادوں اور صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو بھی ساتھ لے کر چلی گئیں اور آہیں بھرتی رہیں اور کروٹیں بدلتی رہیں لیکن کیا اس روایت کی رُو سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ مورد الزام بن سکتے ہیں اور ان پر وہ قیاس و حجت اور دلیل و برہان منطبق کیا جا سکتا ہے جو ڈھکو صاحب نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر منطبق کرنے کی مذموم سعی کی ہے ؟ یقیناً نہیں، کیونکہ آپ نے ان کو ایذا پہنچانے کا نہ قصد کیا اور نہ ہی اُن کے گوشۂ خیال میں بھی یہ امر تھا تو بالکل اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قطعاً آپ کو ایذا پہنچانے کا نہ قصد و ارادہ کیا تھا اور نہ ہی ایسے اقدام کا وہ تصور بھی کر سکتے تھے ۔ انہوں نے کمال نیازمندی سے اور ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس مال کی شرعی حیثیت واضح کی تھی جو شب و روز بارگاہِ حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر رہنے کی بنا پر ان کے علم میں تھی اور اپنے فرائضِ منصبی اور ذمہ داری کا تذکرہ کیا جو بحیثیتِ خلیفۂ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم اُن پر عائد ہوتی تھی ۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

استقامتِ صدیق رضی اللہ عنہ کا عظیم مظاہرہ

بلکہ عدل و انصاف اور دیانت و امانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس استقامت اور اخلاص و نیاز کے اپنے اندر جمع کرنے اور حدِ اعتدال میں رہنے اور افراط و تفریط سے دُور رہنے پر ہدیۂ تبریک و تحسین پیش کیا جاتا اور ان کو صد مرحبا کہا جاتا کہ وہ کس مشکل میں گھِر چکے ہیں۔ ایک طرف شرعی حکم کی پابندی اور دوسری طرف رسولِ معظم نبیِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر کا مطالبہ جن کی محبت ان کے لیے روحِ ایمان ہے اور جن کے ابا جان کی خاطر انہوں نے جان و مال، عزت و آبرو اور خویش و اقربا اور گھر بار سب کچھ قربان کر دیا، مگر نہ دامنِ محبت ہاتھ سے جانے دیا اور نہ ہی دامنِ شرع کو ہاتھ سے چھوٹنے دیا۔ ایسے مشکل مراحل میں ایسی استقامت کا مظاہرہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ہی کا حصہ ہو سکتا تھا۔

علماءِ شیعہ کا حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو موردِ الزام ٹھہرانا

علماءِ شیعہ نے اس روایت کی صحت و واقعیت تسلیم کرنے کے بعد حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے اس اقدام کی جو توجیہ و تاویل کی ہے، وہ ملاحظہ فرماویں؛ سید نعمت اللہ الجزائری نے انوارِ نعمانیہ جلد اوّل ص۷۳ پر اس روایت کو مفصل طور پر بیان کیا ہے اور توجیہات و تاویلات بھی ذکر کی ہیں:

فان قلت اذا کانت فاطمة صلوات الله علیها مطهرة معصومة عن ادناس نساء الدنیا فکیف جاز منها اعمال هذه الغیرة البشریة من غیر ان تفحص عن تحقیق الحال قلت الجواب عن هذا بوجوه۔ یعنی اگر سائل یہ سوال کرے کہ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا دنیوی عورتوں کے میل کچیل اور رذیلہ اور ردّی صفات و اخلاق سے مطہرہ معصومہ تھیں، تو پھر ان سے غیرتِ بشریہ کے اثرات اور ردِ عمل کیونکر ظاہر ہو گئے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کہ بغیر حقیقت حال کی تحقیق اور چھان پھٹک کیے (حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر سے بھی بلا اجازت اور بغیر اطلاع دیئے چلی گئیں اور بال بچے بھی ساتھ لے گئیں اور خلاف واقعہ خبر و اطلاع پر اس قدر خود بھی پریشان ہوئیں اور حضور نبی کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پریشان کر دیا) تو اس سوال و اشکال کا جواب کئی وجوہ سے ہے۔

الاول: ان هذا وامثاله غير مناف للعصمة ولا للطهارة من الادناس البشرية (الى) وقد صدرت من بنات الانبياء ماهو اعظم و اشد فان سارة من بنات الانبياء عليهم السلام والزمت ابراهيم عليه السلام ان يخرج عنها هاجر وابنها اسماعيل الى واد غير ذى زرع ولا ينزل معهما بل يضعهما فيه ويرجع اليها الخ

پہلا جواب یہ ہے کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا یہ اقدام اور ردِ عمل اور اس کی مثل دوسرے اقدامات نہ اُن کی عصمت اور پاکدامنی کے خلاف ہیں اور نہ ہی بشری کمزوریوں سے منزہ و مبرا ہونے کے خلاف ہیں (تا) انبیاء کرام علیہم السلام کی بیٹیوں سے اس سے بھی بڑے بڑے سخت اعمال سرزد ہوتے رہے ہیں، کیونکہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا پیغمبروں کی بیٹیوں میں سے تھیں مگر دیکھا کہ انہوں نے کس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ پابندی عائد کر دی تھی کہ وہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور اس کے شیرخوار بچے (اور اپنے اکلوتے لخت جگر اور نور نظر) کو بے آب و گیاہ وادی کی طرف لے جا کر چھوڑ آئیں اور خود بھی ان کے پاس نہ ٹھہریں، بلکہ اپنی سواری سے اُترے بغیر ہی اسی حالت میں واپس آجائیں۔

والثانى: ان المعصومين قد كانوا احيانا ينتزلون عن مراتبهم الى مراتب البشر و يقع منهم الغضب والرضاء والمحاورات المتعارفة فى مجارى العادات لحكم ومصالح يجوز ان يكون منها ان لا يظن بهم فوق مراتبهم كما وقع

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

من الغلاة واشباههم الخ:

دوسرا جواب یہ ہے کہ معصومین شخصیات بھی کبھی کبھی اپنے مراتبِ عالیہ سے تنزل کرتے ہوئے عام بشری حالت اور مقام کی طرف آجاتے ہیں اور ان میں بھی عامیانہ صفات اور احوال کا ظہور ہوتا ہے، کبھی رضامندی سرزد ہوتی ہے تو کبھی غضب اور ناراضگی اور عادت و عرف کے مطابق عام لوگوں میں جاری محاورات اور اسلوبِ کلام ان سے بھی سرزد ہو جاتے ہیں جس میں مختلف حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں، تو اس واقعہ میں بھی ہو سکتا ہے کہ اس قسم کی مصلحتوں اور حکمتوں میں سے ایک یہ حکمت و مصلحت بھی ہو کہ ان کو ان کے لائق اور شایانِ شان مراتب سے بلند و بالا نہ سمجھا جائے اور انہیں مافوق الفطرت شخصیات نہ سمجھ لیا جائے جیسے کہ غالی شیعوں اور اس قسم کے دوسرے گمراہ شیعوں کا خیال ہے۔

(انوارِ نعمانیہ مصنفہ سید نعمت اللہ الجزائری، جلد اول ص۷۷ و ۷۸)

فوائد و نتائج: (۱) آپ نے دیکھ لیا کہ جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے غم و اندوہ اور حزن و ملال کی وجہ سے اعتراض اور الزام عائد ہوتا نظر آیا تو علماء شیعہ نے سیدۃ نساء العالمین رضی اللہ عنہا کو کس طرح عام بناتِ انبیاء پر قیاس کر کے بے جا غم و غصہ اور بے سبب حزن و ملال کو کس طرح روا رکھا، اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی طہارت اور عصمت بھی اُن کی نظر میں ایسے سخت اقدام کے منافی نہ رہی، حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایذاء رسول اور ایذاء خداوند تعالیٰ سے منزّہ و مبرا ماننا حضرت زہرا رضی اللہ عنہ کے لیے لازم تھا اور تنہا ایک عامی راوی کے قول کی بناء پر حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے عظیم المرتبت اور معصوم امام کو موردِ الزام اور محلِ اتہام نہیں ٹھہرانا چاہیے تھا اور خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نہیں نکلنا چاہیے تھا، مگر چونکہ معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق تھا، لہٰذا وہ تو موردِ الزام نہیں بنائے جا سکتے تھے تو حضرتِ زہرا بتول رضی اللہ عنہا کو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا پر قیاس کر کے ایسے امور کے سرزد ہونے کا جواز ثابت کر دیا اور اس سارے ردِعمل میں نہ عصمت متاثر ہوئی اور نہ طہارت پر حرف آیا، حالانکہ افضل کا مفضول پر قیاس درست نہیں ہوتا اور نہ ہی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کا پیغمبر کی بیٹی ہونا ثابت ہے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے والد کا نبی ہونا ثابت نہیں اور نہ ہی حضرت خلیل اللہ علیہ السلام سے قبل کسی مبلغ کا ان کے باپ کے دور میں موجود ہونا۔ فسبحان اللہ ما اشد حب الناس لعقائدھم۔

۲۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے لیے شیر خوار بچے اور اس کی والدہ کے لیے اس قدر غیرت اور عدم برداشت اور سخت ترین رویہ بھی جائز ہو گیا اور حضرت خلیل اللہ علیہ السلام جیسے بلند مرتبت نبی کے لیے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے ساتھ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی رضامندی اور تسکین خاطر کے لیے ایسی کڑی شرائط اور مطالبات کو تسلیم کرتے ہوئے ایسی بے نیازی جائز ہو گئی اور اس سے ان کی عصمت بھی متاثر نہ ہو سکی۔

۳۔ معصومین کے لیے مراتب عالیہ سے تنزل اور عام بشری تقاضوں کا رونما ہونا درست ہو گیا اور یہ تنزل بھی سراسر حکمت اور مصلحت بن گیا اور ان مقدس شخصیات کے حق میں غلو اور افراط سے روکنے کا ذریعہ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن اگر نہیں جائز تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عمل جو حدیث رسول کے عین مطابق تھا اور حدیث بھی اتنی صحیح اور سچی کہ سب امہات المومنین اس کی قائل سب اکابر صحابہ اور تمام اہل بیت کرام اس کے معترف اور اسی پر عمل پیرا اور مراتب عالیہ سے تنزل اگر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے لیے جائز نہیں تھا تو صرف فدک کے بارے میں اور اُن کی یہ ناراضگی اور بحران بشری تقاضوں کے تحت سرزد ہونا محال تھا اور اُن کی عصمت اور طہارت کے سراسر منافی و مخالف تھا تو صرف اور صرف حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں اور حضرت سیدنا خلیل اللہ علیہ السلام جیسی شخصیت کے لیے اکلوتے فرزند اور حرم محترم کے حق میں یہ اقدام قابل جواز تھا مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو فدک بطور وراثت نہ دینے کا کوئی جواز نہیں تھا؟ ما لکم کیف تحکمون الیس منکم رجل رشید۔

تو کیا دنیاوی مال کی خاطر اور مال بھی وہ جس کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی ذات یا اپنی لخت جگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے بھی مخصوص نہیں کیا تھا بلکہ بیت المال کا حصہ اور قومی ملکیت قرار دیا تھا اور آپ کے جملہ اخراجات کی بھی اس سے کفالت کا عہد کیا تھا اور نبوی طریق کار پر کاربند رہنے کا عہد کیا اور اللہ تعالیٰ کو ضامن بنایا تو اس صورت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

میں بھی اگر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا ان پر ناراض ہوں اور کبیدہ خاطر تو اس کو بھی اسی طرح کے بشری تقاضے پر محمول کرنا اور مرتبۂ عالیہ سے تنزل قرار دینا ضروری ہے جس میں جزائری صاحب کی بیان کردہ حکمت و مصلحت کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت و عقیدت اور نیاز و اخلاص کے ساتھ ساتھ استقامت کا امتحان لینا اور قیامت تک آنے والے محبتوں اور معتقدوں کے لیے قابلِ تقلید نمونہ پیش کرنا بھی ہو سکتا ہے کہ محبوب سے محبوب تر شخصیت کے لیے اصولِ شرع اور راہِ استقامت سے عدول و انحراف جائز نہیں ہے

چشمِ بد بیں کہ برکندہ باد　　　عیب نماید ہنرش در نظر

حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی بات ناقابلِ اعتبار و التفات

انوارِ نعمانیہ میں ہی محدث جزائری نے ذکر کیا ہے کہ شیخ صدوق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت نقل کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو ایک لونڈی بطورِ ہدیہ پیش کی گئی جس کی قیمت چار ہزار درہم تھی۔ جب وہ حبشہ سے واپس تشریف لائے اور مدینہ منورہ پہنچے، تو انہوں نے وہ لونڈی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ہبہ کردی۔ انہوں نے اس کو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا والے مکان میں ٹھہرایا۔ ایک دن آپ باہر سے گھر تشریف لائیں تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا سر اس کی گود میں دیکھ کر فرمایا، فعلتما یا ابا الحسن فقال لا واللہ یا بنت محمد ما فعلت شیئاً الخ اے ابو الحسن! تم نے اس کے ساتھ ہمبستری کی ہے؟ تو آپ نے فرمایا مجھے خدا کی قسم، میں نے قطعاً اس کے ساتھ مباشرت نہیں کی، تو بتلایئے تمہارا کیا ارادہ ہے؟ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے کہا میرا ارادہ یہ ہے کہ مجھے اپنے باپ کے گھر جانے کی اجازت دیں، تو آپ نے جانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے چادر اوڑھی برقعہ پہنا اور منزلِ نبوی کا رُخ کیا۔ فھبط جبریل علیہ السلام فقال یا محمد ان اللہ یقرئک السلام ویقول ان فاطمۃ تشکو علیاً فلا تقبل منہا فی علی قولاً فدخلت فاطمۃ فقال رسول اللہ جئتنی تشکین علیاً۔ فقالت ای و رب الکعبۃ فقال لہا ارجعی الیہ فقولی لہ رغم

انفی لرضاك ثلاثا فرجعت فاطمة الیٰ علیؓ فقالت یا ابا الحسن رغم انفی لرضاك - (ص ۹۶، جلد ۱)

توجبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کیا، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ یہ فاطمہ آرہی ہے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شکایت کرنے کے لئے، لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ان کا قول بالکل قبول نہ کرنا۔ اسی دوران آپ پہنچ گئیں تو رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم علی مرتضیٰ کی شکایت کرنے آئی ہو؟ آپ نے عرض کیا، جی ہاں! اللہ مالک کعبہ کی قسم تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، واپس علی کے پاس جاؤ اور ان سے تین مرتبہ کہو میری ناک تمہاری رضا حاصل کرنے کے لئے خاک آلود ہوئی؛ چنانچہ آپ حسب ارشادِ نبوی واپس حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں اور تین مرتبہ کہا، میری ناک تمہاری رضا حاصل کرنے کے لیے خاک آلود ہے، یعنی میں گویا ناک سے لکیریں کھینچ کر معذرت اور معافی چاہتی ہوں۔

ثمرہ و نتیجہ: اس روایت کو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کریں جن سے بڑھ کر خیمۂ افلاک کے نیچے اور فرشِ زمین کے اوپر کوئی صادق نہیں اور اس کو نقل کرنے والے شیخ صدوق ہوں، اتنی بڑی سچی روایت میں ایک طرف حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو اپنے ظن و گمان اور تخمینہ و اندازہ پر اس قدر بڑا اعتماد دکھلایا گیا ہے کہ اس کے مقابل حضرتِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسے معصوم کی قسم اور ان کے حلفی بیان کو بھی آپ نے کوئی وقعت و اہمیت نہیں دی اور ان پر اعتبار نہیں کیا۔ دوسری طرف حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو حضرت جبرئیل، رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک غیر اہم قرار دے دیا اور ان کی بات کو ناقابلِ اعتبار و التفات ٹھہرا دیا گیا اور انہیں ناک سے زمین پر لکیریں کھینچ کر معذرت کرنے والوں کی طرح معذرت کرتے دکھایا گیا ہے۔

لیکن جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سراسر اخلاص و نیاز سے سرزد ہونے والے جواب اور شریعتِ مطہرہ پر پابند رہتے ہوئے صرف وراثت کے طور پر فدک حوالے کرنے سے معذرت کا معاملہ ہو تو یہی سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا مافوق الفطرت بن گئی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ہیں اور شریعت، طریقت اور حقیقت کی جامع بھی۔ خطا اور بھول چوک سے معصومہ مطہرہ بھی۔ صادقہ و صدیقہ بھی اور صائب الرائے اور صحیح الفکر بھی اور مالکِ شریعت بھی۔ ان کی ناراضگی اور غضب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غیظ و غضب کا موجب بھی ہوتی ہے اور ان کی ایذا کا باعث بھی وغیرہ وغیرہ اور اس ناراضگی کی توجیہ و تاویل بھی ناممکن ہو جاتی ہے، لہٰذا نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ شیعہ کو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی عظمت و رفعت، عصمت و طہارت اور صداقت و دیانت کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ناراضگی اور ان کے ساتھ بغض و کینہ نہیں، بلکہ صرف اور صرف دینِ اسلام کا محافظ ہونے اور اس کی نشأۃ ثانیہ کا موجب ہونے کی وجہ سے ہی سارا غم و غصہ اور بغض و عناد ہے، ورنہ یہ کوئی ایسا معاملہ نہ تھا، جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو معذور نہیں سمجھا جا سکتا تھا اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے ردعمل کی توجیہ و تاویل نہیں ہو سکتی تھی، بشرطیکہ دونوں کے ساتھ اخلاص بھی ہوتا اور دل بھی صاف ہوتا۔

صاحبِ ناسخ کا اضطراب اور روایت کے ردّ و قبول سے عجز

صاحبِ ناسخ نے پہلی روایت کو علل الشرائع اور فاضل مجلسی کے حوالے سے ذکر کر دیا لیکن اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا عالم ما کان و مایکون تھیں، وہ ایک مجہول شخص کے کہنے پر اس قدر سخت ناراض کیونکر ہو سکتی تھیں کہ اولاد کو ہمراہ لے کر حضرتِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اجازت کے بغیر ان کے گھر سے تشریف لے گئیں۔ دوسری طرف حضرتِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ معصوم تھے، وہ ایسے امر کا ارتکاب کیونکر کر سکتے تھے، یعنی ابوجہل کی مسلمان بیٹی کے ساتھ نکاح کیسے کر سکتے تھے اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو ان کے متعلق ایسا شک و شبہ کیونکر ہو سکتا تھا وغیرہ وغیرہ، لیکن کہتا ہے: چوں فاضل مجلسی ایں حدیث را نگاشتہ بود، من بندہ دست بازنداشتم و تواند بود کہ اسرارِ احادیث، و مصلحتِ وقت را ماندانیم و ردّ و قبول را بفہم نارسائے خویش

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

دہیم (ناسخ التواریخ جلد چہارم صنہ ۱۳۰)

چونکہ مجلسی صاحب نے اس حدیث کو لکھا تھا، تو میں نے بھی لکھنے سے ہاتھ کو نہ روکا اور ہو سکتا ہے کہ احادیثِ مبارکہ صحیح اسرار و رموز اور مخصوص اوقات کی مصلحتوں کو ہم نہ سمجھ سکیں اور عین ممکن کہ حقیقتِ حال سمجھے بغیر اپنے ذہن نارسا کے ذریعے رد و قبول کے درپے ہو جائیں (لہٰذا سوائے سکوت اور مہر بلب ہونے کے کوئی چارہ نہیں ہے)

بس یہی معاملہ ہمارا بھی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس جواب باصواب اور عین شریعت اور مجموعۂ ادب و احترام پر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی ناراضگی اور برہمی اور ہجران و قطع تعلق والی روایات قبول کرنے پر اپنا ذہن آمادہ نہیں ہوتا، لیکن ان کو مردود اور ناقابلِ قبول ٹھہرانے سے ہچکچاتے ہیں کہ ممکن ہے وقتی طور پر بشری تقاضوں اور مراتبِ عالیہ سے تنزل کی بنا پر کوئی ایسی کبیدگی پائی گئی ہو جو اس شہزادی والا تبار کی طرف سے شانِ محبوبی اور نسبتِ رسالت پر ناز و افتخار کی وجہ سے سرزد ہوئی ہو اور اس سراپا خلوص غلام بارگاہِ رسالت کے عشق کا مزید امتحان ہو اور جب امتحان ہو لیا تو معاملہ سلجھ گیا اور باہمی رضامندی ہو گئی ہو۔ الغرض حضرت علی اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے درمیان ناراضگی اور شکوہ و شکایت کی روایات کو دیکھ کر اس روایت کا رد یا اس کی تاویل حضراتِ شیعہ بھی ضروری سمجھتے ہیں، وہی معاملہ ہمارا بھی ہے۔ لہٰذا ہمارے خلاف یہ پابندی کیونکر عائد کی جا سکتی ہے کہ ہم تو ان کے رد و قبول میں اپنا حق استعمال نہ کر سکیں، مگر شیعہ حضرات کو یہ حق حاصل ہو اور وہ اسے استعمال بھی کر سکیں۔ تلك اذًا قِسْمَةٌ ضِيزٰى۔ الحاصل ثابت ہو گیا کہ کسی بھی فریق کی مذہبی کتاب میں موجود و مرقوم ہر روایت اپنے ظاہری معنی و مفہوم پر محمول ہونی ضروری نہیں، بلکہ اپنے دیگر روایات و احادیث اور دلائل و براہین کی رُو سے ہی اس کا صحیح محمل متعین کرنا صرف ان کا حق ہے۔

مزید توضیح و تشریح: علامہ ڈھکو صاحب کے بے بنیاد قیاسِ شعری کے رد و ابطال کے لیے یہی قدر کافی و وافی ہے، لیکن اس معاملہ کی اہمیت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کے پیشِ نظر مزید توضیح و تشریح کے لیے دو حوالے مزید پیشِ خدمت ہیں تاکہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے کہ یہ مقدس شخصیات بشری تقاضوں سے بالاتر نہیں تھیں اور کبھی مراتبِ عالیہ سے ان کو تنزل لاحق ہو جاتا تھا جس کو شیعہ تسلیم کرتے ہیں اور تسلیم کیے بغیر ان کے لیے کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

۳۔ جاءت فاطمة علیها السلام الی ابیها وهی باکیة فقال لها ما یبکیك یا قرة عینی لا ابکی الله لك عینا قالت یا ابی ان نسوان قریش یعیرننی ویقلن ان اباك زوجك بفقیر لا مال له فقال لها یا فاطمة ان الله عزوجل اطلع الی الارض اطلاعة فاختار منها اباك ثم اطلع فاختار منها بعلك وابن عمك ثم امرنی ان ازوجك منه افلا ترضی ان تکونی زوجة من اختاره الله وجعله لك بعلا فقالت رضیت و فوق الرضا یا رسول الله۔ (کتاب الروضة لابن بابویہ القمی ص۱۱۹)

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اپنے والدِ گرامی کی خدمتِ اقدس میں روتی ہوئی حاضر ہوئیں، تو آپ نے ان سے کہا اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک تمہیں کونسی چیز رُلا رہی ہے؟ اللہ تعالیٰ کبھی بھی تیری آنکھ کو نہ رلائے، تو آپ نے عرض کیا اے ابا جان! قریش کی عورتیں مجھے عار دلاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ تمہارے باپ نے تمہارا رشتہ ایسے فقیر اور درویش شخص سے کر دیا ہے کہ جس کے پاس کوئی مال نہیں ہے، تو آپ نے ارشاد فرمایا: اے فاطمہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین کی طرف ایک مرتبہ جھانکا تو پورے روئے زمین سے تیرے باپ کو چن لیا۔ پھر دوبارہ جھانکا تو پوری زمین سے تیرے خاوند کو چُن لیا۔ پھر مجھے حکم دیا کہ میں تیری شادی اس کے ساتھ کروں۔ کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تو اس شخص کی زوجہ ہو جو اللہ تعالیٰ کا منتخب کیا ہوا ہے اور اُس نے تیرے لیے اس کو خاوند بنایا ہے۔ تو آپ نے کہا میں راضی ہو گئی اور بہت زیادہ راضی ہو گئی ہوں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تبصرہ: صرف مال و دولت نہ ہونے کی بنا پر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زوجیت قبول کرنے پر اظہارِ افسوس کرنا اور روتے ہوئے بارگاہِ رسالتمآب میں حاضر ہو کر احتجاج کرنا کیا ان کے لیے زیبا ہے۔ انہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کب شاہانہ انداز میں وقت گزارتے دیکھا اور کیا گھرانۂ نبوت میں انہیں ورع و زہد اور توکل و قناعت کا سبق نہیں ملا تھا کہ وہ قریشی عورتوں کے اقوال سن کر رونے لگ گئیں اور اس نکاح کے خلاف فریادی بن گئیں۔

ب۔ حبیبِ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان بیان فرمائی، تو راضی ہو گئیں، لیکن پھر کسی مجہول شخص کی زبانی دوسری شادی کی اطلاع پاتی ہیں، تو اسی علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے گھر سے بال بچے لے کر بلا اجازت اور بغیر اطلاع دیئے تشریف لے جاتی ہیں اور اُن کا سر لونڈی کی گود میں دیکھ کر اس قدر غصہ اور ناراضگی کا اظہار کرتی ہیں کہ ان کی قسم اور حلف پر بھی اعتماد نہیں کرتیں اور شکایت کے لیے بارگاہِ نبوی میں چلی جاتی ہیں، تو کیا آپ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کی ہوئی عظمتِ مرتضیٰ کو سمجھا اور اس کے تقاضوں کو پورا کیا۔ اگر حضرت زہرا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حضرت علی مرتضے رضی اللہ عنہ کے متعلق اس قسم کی بے اعتباری اور بد اعتمادی سے اور لوگوں کی شکایات ان کے حق میں قبول کر لینے سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شانِ اقدس میں فرق نہیں پڑتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں کیونکر آپ کے ردِّ عمل اور انقباض کو ان کے دین و ایمان کے منافی سمجھا جا سکتا ہے، جبکہ قرآن مجید، احادیثِ رسول، اقوالِ مرتضیٰ اور دیگر ائمہ کرام کے ارشادات سے ان کی فضیلت اور برتری روزِ روشن کی طرح نمایاں و آشکار ہے۔

۴۔ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیاتِ طیبہ کے واقعات ملاحظہ کرنے کے بعد اب حضورِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد قضیۂ فدک میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر آپ کے غم و غصہ اور تغلیظ و تشدید کو ملاحظہ کریں:

فقالت یابن ابی طالب اشتملت شملة الجنین وقعدت حجرة

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

انطنين انقضت قادمة الاجدل فخانك ريش الاعزل هذا ابن ابی قحافة يبتزنی نحيلة ابی وبلغة ابنی لقد اجهر فی خصامی و الفيته الدّ فی کلامی حتی حبسنی قيلة نصرها والمهاجرة وصلها وغضت الجماعة دونی طرفها فلا دافع ولا مانع خرجت کاظمة وعدت راغمة اضرعت خدك يوم اضعت حدك افترست الذئاب افترسك الذباب ماكففت قائلا ولا اغنيت طائلا ولا خيار لی ليتنی مت قبل هنيئتی ودون ذلتی عذيری الله منك عاديًا ومنك حاميا ويلای فی کل شارق ويلای فی کل غارب مات العمد ووهنت العضد شكوای الی ابی وعدوای الی ربی اللهم انت اشد قوة وحولا واحد بأسا وتنكيلاً۔

(احتجاج طبرسی ص۱۰۷ ، ناسخ التواریخ ج ۴، ص۸۹ تا ۹۰)

تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس سے واپس آنے پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا، اے ابن ابی طالب تو جنین کی طرح پردے میں لپیٹ گیا ہے اور متہم لوگوں کی طرح حجرہ نشین ہو گیا ہے، کبھی تو نے شہبازوں کے شہپر توڑ ڈالے اور کبھی بے پر اور پرواز سے قاصر کے پر و بال اکھیڑنے سے بھی قاصر ہے۔ یہ ابن ابی قحافہ مجھ سے میرے باپ کا عطیہ اور میرے بیٹوں کا لقمہ چھین رہا ہے، اس نے میرے ساتھ علانیہ جھگڑا کیا اور میں نے اس کو اپنی گفتگو میں سخت جھگڑالو پایا، حتیٰ کہ قبیلہ کے افراد نے بھی مجھ سے اپنی امداد روکے رکھی اور مہاجرین نے میرے تعلق کو نظر انداز کیا اور حاضرین کی ساری جماعت نے میرے آگے آنکھیں بند کر لیں (اور میری موجودگی کو اہمیت نہ دی۔) پس نہ کوئی میری طرف سے دفاع کرنے والا ہے اور نہ رکاوٹ ڈالنے والا۔ میں غم و غصہ سے بھری ہوئی نکلی اور بے آبروئی اور بے عزتی کی حالت میں واپس ہوئی، تو نے اپنے رخسار کو ذلیل اور بے آبرو کر دیا ہے، جس دن سے اپنی قوت اور تیزیٔ طبع کو ضائع کر دیا ہے۔ کبھی، تو تو نے بھیڑیوں کو شکار کیا اور کبھی مکھیاں تجھے شکار کر رہی ہیں (اور

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ایک نسخے کے مطابق، اب تو نے مٹی کو اپنا بچھونا بنا لیا اور خاک نشین ہو گیا ہے) نہ تو نے کسی کہنے والے اور بولنے والے کی زبان روکی اور نہ کوئی منفعت اور فائدہ پہنچایا' اور میرے اندر قوت و طاقت نہیں ہے۔ اے کاش! میں اس حقارت و ذلت سے پہلے ہی مر جاتی۔ اللہ تعالیٰ میرا عذر خواہ اور ناصر ہے' اس سے تجاوز کی حالت میں اور تجھ سے حمایت کی حالت میں ہلاکت ہے میرے لیے جہات شرق میں اور ہلاکت ہے میرے لئے جہات غرب میں، میرا سہارا موت کے منہ میں چلا گیا اور میرا دست و بازو کمزور ہو گیا۔ میری شکایت اپنے والد گرامی کی بارگاہ میں ہے اور میری فریاد اور استغاثہ میرے رب کی بارگاہ میں ہے۔ اے اللہ! تو ان کی نسبت سخت قوت و طاقت والا ہے اور شدید گرفت اور عقاب والا ہے۔

اقول: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں جو کلمہ آپ کی طرف سے نقل کیا گیا' اس کو تو وحی الٰہی سمجھ کر قبول کر لیا گیا اور کسی توجیہ و تاویل کو روا نہ رکھا گیا، لیکن کیا ان کلمات کو بھی ظاہری معنی پر محمول کر کے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات کو مورد طعن و تشنیع سمجھا جا سکتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمومی فضائل اور بالخصوص آپ کو ان کی زوجیت میں دینے کے بعد جو خصوصی فضیلت آپ کی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھی۔ کیا اس کو یہاں پر ملحوظ رکھا گیا ہے؟ اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے وجود و عدم کو برابر قرار دیا گیا یا نہیں اور ان کو کمینوں کے سامنے عاجز اور اپنے کو ذلیل و بے آبرو کرنے والا اور پردۂ رحم میں موجود بچوں اور تہم و گناہ گار لوگوں کی طرح خلوت نشین قرار دے کر کیا ان کے لافتیٰ الا علی اور فاتح خیبر اور اسد اللہ الغالب ہونے کا انکار کیا گیا ہے یا نہیں؟ تو کیا شیعہ حضرات اس مطہرہ معصومہ صادقہ مصدقہ امینہ کے صدق و حقگوئی پر ایمان لاتے ہیں یا نہیں؟ اور ان کی اس ناراضگی کو بھی اللہ و رسول کی ایذا رسانی قرار دے کر آیت کریمہ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (الایۃ) کو منطبق کرتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

پھر گستاخِ صدیق اور اُن کے بغض و عناد اور حسد و کینہ رکھنے والے سبائیوں پر ہی اسے منطبق کر دو اور ان بزرگواروں کو اسی طرح منزّہ و مبرّا سمجھو، جیسے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کلمات سے منزّہ و مبرّا ہیں اور ایسے کلمات کہنے والے بھی اسی طرح معذور ہیں جس طرح حضرت کلیم اللہ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام کے معاملہ میں معذور تھے۔

والحمد للہ علیٰ وضوح الحق وصلی اللہ علیٰ حبیبہٖ وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین

تنبیہ: جس طرح شیعہ حضرات کے نزدیک ایسے واقعات و روایات و حکایات میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا، کیونکہ وہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں، بلکہ بقولِ شیعہ سوائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی افضل ہیں، لہٰذا یہ توجیہ و تاویل حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی طرف سے کی جاتی ہے اور اُن کے اقدام کو تنزل اور بشری تقاضے قرار دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اہل السُّنّت کا مذہب بھی یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل البشر بعد الانبیاء ہیں، یعنی تمام امتوں سے افضل ہیں، لہٰذا ان پر کوئی الزام عائد کرنے کی بجائے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی طرف سے توجیہ و تاویل کرنی لازم ہے۔

نیز جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ناراضگی اور کبیدگی کا کوئی واقعہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں ہی پیش آیا تو دربارِ رسالت سے ہی حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے طہارتِ دامن کو واضح کر دیا گیا اور اگر اس قسم کا واقعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آتا تو یقیناً حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہی طرفداری فرماتے، کیونکہ جب بھی کسی صحابی کی طرف سے ان کے متعلق کوئی بات پہنچائی گئی تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہی ہوتا: ھل انتم تارکون لی صاحبی کیا تم میری خاطر میرے اس رفیق کو نشانہ بنانے سے باز نہیں رہ سکتے؟ فما اوذی بعدھا (بخاری شریف جلد اوّل ص۵۱۷) تو سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کی اس تنبیہ کے بعد کبھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ایذا اور تکلیف نہ دی گئی
یہی حضرت زہراء رضی اللہ عنہا جب بعض ازواجِ مطہرات کے کہنے پر سفارش
کے لئے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور عرض کیا: ان ازواجك
ارسلنني اليك يسئلنك العدل في ابنة ابي قحافة
آپ کی ازواج نے مجھے آپ کی خدمت میں اس سفارش کے لئے بھیجا ہے کہ وہ
آپ سے حضرت عائشہ سے محبت کے زائد ہونے کے بارے میں عدل و مساوات کا مطالبہ
کرتی ہیں۔ تو آپ نے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کو فرمایا: اى بنية ألست تحبين
ما احب قالت بلى قال فاحبي هذه۔ کیا تمہیں اس سے محبت نہیں جس سے
مجھے محبت ہے؟ تو عرض کیا کیوں نہیں تو آپ نے فرمایا، تو پھر ان سے (عائشہ صدیقہ سے
محبت رکھو، یعنی ان کی رضا و پسند کے خلاف اور برعکس کچھ نہ کیا کرو (مسلم شریف ج ۲ ص ۲۸۵)
مقامِ غور ہے کہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لختِ جگر ہونے کی وجہ سے حضرت
عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اتنی محبت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ان کے خلاف
دیگر ازواجِ مطہرات کی طرفداری اور سفارش کو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی محبت کے
خلاف قرار دیتے ہیں اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی محبت کو اپنی محبت عین قرار دیتے ہیں تو خود
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی محبت آپ کی محبت کا عین کیونکر نہیں ہوگی اور ان کی محبت کے
خلاف اقدام خود سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے خلاف کا ارتکاب کیونکر نہیں ہوگا
لہٰذا یہ حقیقت دوپہر کے اجالے کی طرح روشن ہوگئی کہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی طرف سے
جس طرح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شانِ اقدس کے خلاف سرزد ہونے والا قول و
فعل محتاجِ تاویل ہے، اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خلاف سرزد ہونے والا
قول و فعل واجب التاویل ہے۔ ساری خرابی کی بنیاد یہ ہے کہ شیعہ ان اکابرین اصحاب
اور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی مقربین کو انتہائی پست، حقیر اور محض نوکر چاکر
اور کمی سمجھ لیتے ہیں اور پھر ایسے واقعات کی آڑ لے کر ان کے ایمان و ایقان اور خلاص

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وفا اور خدمات و قربانیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری خطبہ تک میں ان کے متعلق بیان فرمودہ بزرگیوں اور فضیلتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ان پہ برسنے لگ جاتے ہیں اور یہود و مجوس کو خوش کرنے اور ابلیس لعین کو راضی کرنے کی مقدور بھر سعی کرتے ہیں، حالانکہ ایسے مقدس لوگوں کے معاملات کو صرف اور صرف حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے واقعہ کی روشنی میں ہی دیکھنا اور سمجھنا اور اس کی توجیہہ و تاویل کرنا ضروری ہے۔

رہی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی نسبی شرافت اور فضیلت کہ آپ لختِ جگر اور نورِ نظر ہیں سیدِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی تو اس میں کس کافر کو شک ہو سکتا ہے، لیکن وہ شرف و فضل تو آپ کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر بھی حاصل ہے۔ پھر حضرتِ زہرا رضی اللہ عنہا کے اقدام کو تنزل اور اپنے مقام و مرتبہ کے خلاف پر کیوں محمول کیا گیا ہے، لہٰذا روزِ روشن کی طرح عیاں کہ جزوی فضیلت کے باوجود ان کا مقام و مرتبہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں ہے اور خود حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تمام اُمت سے افضل ہیں اور وہ اُن کے اعمال ناموں کے ساتھ رشک فرماتے ہیں، وغیر ذالک کما سبق فی المجلد الاول۔

حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ

علامہ ڈھکو صاحب نے اپنے اسلاف کی اتباع میں حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ کی بحث درمیان میں لا کر حضراتِ صحابہ اور اہلِ بیت کرام علیہم الرضوان کے درمیان انتہائی عداوت اور دشمنی ثابت کرنے کی سعی نامشکور فرمائی ہے اور اسے فدک نہ دیئے جانے پر غم و غصہ و ناراضگی کی دلیل بنایا ہے، حالانکہ یہ استنباط بوجوہ باطل ہے:

ا۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض دفعہ واقعہ ایک ہی ہوتا ہے، لیکن اس کی تعبیر اور حکایت ہر شخص اپنے نظریہ و عندیہ کے مطابق کرتا ہے، تو اس طرح حقیقت کا چہرہ اُجلا اور صاف ستھرا ہونے کے باوجود ان تعبیرات و حکایاتِ مختلفہ کی وجہ سے دُھندلا جاتا ہے اور اس واقعہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا ہے۔ جنازہ میں حضرت صدیق اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہما اور دیگر مہاجرین وانصار کے شامل نہ ہوسکنے کی وجہ علیٰ تقدیر صحت الروایت دراصل یہ تھی کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اپنی صفت حیا، وشرم کے کمال اور پردہ وستر کے اہتمام کے پیش نظر اپنے جنازہ کو نمایاں نہیں کرنا چاہتی تھیں اور آپ کو بیماری کے ایام میں ہر وقت یہی فکر دامنگیر رہتی تھی کہ میرے جسم پر کفن ہونے کے باوجود لوگوں کو میری قامت اور سراپا دیکھنے کا موقعہ مل جائے گا اور پتہ چلتا رہے گا کہ سر کہاں ہے اور سینہ کہاں ہے اور اسے بھی وہ اپنی شان تستر کے خلاف سمجھتی تھیں، حتیٰ کہ اس پریشانی اور تفکر کو دور کرنے کے لیے حضرت اسماء بنت عمیس زوجہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہما نے (اور ناسخ التواریخ کے اندر منقول قول کے مطابق ملائکہ نے) جنازہ کی چارپائی پر کھجور کی شاخوں کو دونوں جانبوں میں کمان کی صورت بنا کر اٹکا دیا اور اوپر کپڑا ڈال کر پردہ کا معقول انتظام کر کے بطور نمونہ دکھلایا کہ اس طرح آپ کی نعش پر ستر اور پردہ کا اہتمام کرلیں گے تو آپ کو بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ (اشعۃ اللمعات ص۶۲ ج ۳) مواہب مع زرقانی ص۲۰۶ ج۳

الغرض جنازہ کے اعلان عام اور اس پر بھیڑ بھاڑ سے گریز اور چند آدمیوں کے پڑھنے پر اکتفا، کی دراصل یہی وجہ تھی کہ ستر اور پردہ کا اہتمام مقصود تھا اور رات کی تاریکی میں ہی نماز جنازہ پڑھنے پر اکتفاء کی دراصل یہی وجہ تھی کہ ستر اور پردہ کا اہتمام مقصود تھا اور رات کی تاریکی میں ہی ———— دفن کرنے کا اصل مقصد یہی تھا مگر سبائی ذہنیت نے اس سیدھی سادی حقیقت کو اپنے قلبی غیظ وغضب اور بغض وعناد کی وجہ سے دوسرا رنگ دے کر اہل اسلام میں افتراق وانتشار پیدا کرنے کے لیے بطور حربہ استعمال کیا۔ ناسخ التواریخ میں حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی تحریری وصیت کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ ان میں حضرات شیخین اور دیگر مہاجرین و انصار کے ساتھ عداوت اور غم وغصہ کی وجہ سے ان کو جنازے میں شریک نہ کرنے کا کوئی لفظ موجود ہے یا یہ محض سبائی جماعت کی افسانہ نگاری ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

انت اولیٰ بی من غیری حنطنی وغسلنی وکفنی باللیل وصل علی وادفنی باللیل ولا تعلم احداً۔ (ناسخ التواریخ جلد چہارم کتاب دوم، ص۱۳۶) تم دوسروں کی نسبت میرے زیادہ قریبی ہو اور حقدار، لہٰذا تم ہی رات کے وقت مجھے غسل دینا اور حنوط لگانا اور کفن دینا اور رات ہی رات مجھ پر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دینا اور کسی کو اطلاع نہ دینا۔

اور ایک روایت کے مطابق صرف سات آدمی حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کے جنازے میں شامل ہوتے تھے۔ خلقت الارض بسبعۃ وبھم یرزقون وبھم یمطرون وبھم ینصرون والی، قال علی وانا امامھم و ھم الذین شھدوا الصلوٰۃ علی فاطمۃ رضی اللہ عنہا وعنھم (ناسخ التواریخ جلد ۴ ص۱۱۲) یعنی زمین صرف سات افراد کے لیے پیدا کی گئی ہے اور انہیں کی بدولت لوگ رزق دیئے جاتے ہیں اور انہیں کے طفیل بارشیں ہوتی ہیں اور انہیں کے صدقے میں لوگوں کو نصرت و امداد دی جاتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں ان کا امام ہوں اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھی۔

اور ان دونوں روایتوں کو سامنے رکھو تو تمام مہاجرین و انصار بلکہ بنو ہاشم، بنو عبد المطلب اور بنو عبد مناف کو بھی اور بالخصوص حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد، حضرت عقیل رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اولاد کو بھی آپ کے جنازہ میں شریک نہیں کیا گیا، تو آخر ان کے ذمے کونسا الزام تھا؟ انہوں نے کس طرح حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو ناراض اور غضب ناک کیا تھا؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے تو صرف ایک مرتبہ کے ان کے ارشاد پر آمنا وصدقنا کہتے ہوئے سات باغات میں سے اپنا نصف حق چھوڑ دیا تھا اور ہر معاملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اُن کی معاونت برقرار رہی، لہٰذا حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ میں شامل نہ ہونے کی وہ وجہ قطعاً نہیں ہے، جس کو سبائی ذہنیت نے اختراع کیا، بلکہ ستر و پردہ اور حیا و شرم کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

تحت رات کو غسل و کفن اور رات کو ہی نمازِ جنازہ اور تدفین کا فریضہ سرانجام دیا گیا،
اور عام اعلان اور تشہیر سے گریز کیا گیا۔

نیز یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ نمازِ جنازہ فرضِ عین نہیں ہے اور بعض لوگوں کے پڑھ دینے سے سب کی طرف سے وہ فریضہ ادا ہو جاتا ہے اور نہ پڑھنے والے یا نہ پڑھ سکنے والے گنہ گار نہیں ہوتے، لہٰذا اگر بالفرض حضراتِ شیخین اور دیگر مہاجرین و انصار اور اہل بیت کرام کے اہم ترین حضرات بھی اس نمازِ جنازہ میں شامل نہیں ہو سکے، تو ان کا تارکِ فرض ہونا اور مجرم و گناہ گار ہونا لازم نہیں آتا۔

۳۔ علاوہ ازیں اگر وہ حضرات شمولیت کے لیے آمادہ نہ ہوتے اور جنازہ پڑھنے کو اہم نہ سمجھتے تو اس کو بے پرواہی اور بے اعتنائی کہا جا سکتا تھا، لیکن باعتراف اہل التشیع وہ جمع ہو کر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے دروازہ پر بیٹھے رہے تاکہ جنازہ کی تقریبات میں شمولیت کی سعادت حاصل کریں، لیکن حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ نمازِ جنازہ کو موخر کر دیا گیا ہے۔ اب نہیں پڑھی جائے گی۔

اجتمع الناس فجلسوا وھم یضجون وینتظرون ان تخرج الجنازۃ فیصلون علیھا وخرج ابوذر فقال انصرفوا فان ابنۃ رسول اللہ قد اخر اخراجھا فی ھذہ العشیۃ فقام الناس وانصرفوا (ناسخ التواریخ جلد چہارم ص ۱۳۵) لوگ جمع ہو گئے پس بیٹھ گئے، جبکہ وہ آہ و زاری کر رہے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ جنازہ کو نکالا جائے تاکہ اس پر نماز پڑھیں اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نکلے، پس انہوں نے کہا سبھی حضرات فی الحال چلے جائیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی تجہیز و تکفین وغیرہ کو اس رات موخر کر دیا گیا ہے، تو لوگ اس اعلان پر اُٹھ کر چلے گئے۔

اور جب نمازِ جنازہ پڑھی گئی، تو کسی کو اطلاع ہی نہ دی تو اندریں صورت ان حضرات پر اعتراض و تنقید اور الزام و اتہام کی کیا گنجائش ہے، بلکہ اس کا جواب تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بلکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ذمے ہے کہ انہوں نے بالعموم صحابہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کرام کو اور بالخصوص اپنے قریبی برادری کے اہم ترین افراد کو بھی اس سعادت سے محروم کیوں رکھا کیا حضرت زہرا۔ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی نظر میں یہ سب بھی بے ادب و گستاخ تھے اور ظالم و غاصب بھی تھے۔ العیاذ باللہ!

۴۔ یہ حقیقت نا قابلِ انکار و تردید ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے صلوٰتِ خمسہ باجماعت ادا کرتے تھے اور یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا کی زوجہ محترمہ تھیں اور حضرت زہرا۔ رضی اللہ عنہا کو غسل و کفن دینے میں پوری طرح شامل تھیں، تو آخر شیعہ حضرات کو اس کی بھی کوئی توجیہ پیش کرنی چاہیئے کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے حضرت علی کو ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہما) کی اقتداء سے کیوں نہ روکا اور وہ خود کیوں باز نہ آتے اور کیا فرضِ عین میں ان کے ساتھ شمولیت بلکہ ان کی اقتداء بھی جائز تھی اور فرضِ کفایہ میں ان کی شمولیت بھی جائز نہیں تھی۔ نیز حضرت اسماء رضی اللہ عنہا جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ازدواجی تعلق کو نہ توڑیں اور نہ ان سے کبیدہ خاطر اور بیزار و متنفر ہوں، بلکہ ان کی مکمل وفادار بیوی بھی ہوں اور ادھر بھی حضرت سیدہ کے الوداع کرنے کے جملہ ضروری امور میں شریک ہوں اور غسل و کفن وغیرہ اپنے ہاتھ سے سرانجام دیں کیا یہ جائز تھا؟ گویا مہاجرین و انصار اور اکابر اہل بیت سے تو مکمل بائیکاٹ کیا گیا، صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تعلق کی بناء پر، مگر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا جن کا اکمل ترین تعلق تھا، وہ قابلِ برداشت ہوگئیں، آخر یہ کیا معاملہ ہے؟

۵۔ ان حقائق پر غور کر لینے کے بعد یہ تو واضح ہوگیا کہ اگر بالفرض یہ حضرات حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ میں شامل نہیں ہو سکے، تو اس میں ان کی کوتاہی و تقصیر اور بے اعتنائی قطعاً نہیں پائی گئی۔ اب معروضِ خدمت ہے کہ روایات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نہ صرف نمازِ جنازہ میں شامل ہونا مذکور ہے، بلکہ ان کا نماز پڑھانا بھی منقول ہے، لہٰذا افسانے کی بنیاد ہی ختم ہو کر رہ گئی۔ ڈھکو صاحب

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نے روضۃ الاحباب اور مدارج النبوت کا حوالہ دے کر حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نمازِ جنازہ سے روکنے کا تذکرہ کیا ہے، تو ہم اسی مدارج کی عبارت سے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی وصیت کی حقیقت اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نماز پڑھانے کا حوالہ پیش کرتے ہیں تاکہ علامہ موصوف کی دیانت و امانت عالم آشکار ہو جائے۔

علامہ ڈھکو صاحب کی خیانت

گویند روزِ دیگر ابوبکر صدیق و عمر فاروق و صحابہ دیگر رضی اللہ عنہم با علی مرتضیٰ شکایت کردند کہ چوں ما را خبر نکردی تا شرف نماز بروے دریافتیم علی عذر گفت کہ بنا بر وصیت وے کردم کہ چوں از دنیا بروم مرا بشب دفن کنی تا چشم نامحرم بر جنازہ من نیفتد، مشہور میان مردم و مذکور در روضۃ الاحباب وغیرہ ایں است۔
(مدارج النبوت جلد دوم ص ۴۶۱)

کہتے ہیں کہ دوسرے دن ابوبکر صدیق و عمر فاروق اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت کی کہ ہمیں اطلاع کیوں نہیں دی تاکہ حضرت زہراء رضی اللہ عنہا پر نمازِ جنازہ پڑھنے کی سعادت حاصل کرتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے ان کی وصیت پر عمل کیا ہے کہ جب میں دنیا سے کوچ کروں تو مجھے رات کے وقت دفن کرنا تاکہ نامحرم کی نظر میرے جنازے پر نہ پڑے لوگوں کے درمیان مشہور یہی ہے اور روضۃ الاحباب وغیرہ میں اسی قول کو ذکر کیا گیا ہے۔

لیکن ڈھکو صاحب کے الفاظ یہ ہیں؛ کذا فی مدارج النبوت و جذب القلوب للشیخ الدہلوی، اس سے معلوم ہوا کہ جناب سیدۂ عالم کی وصیت یہ تھی کہ جن لوگوں نے ان کو اذیت دی ہے، وہ ان کی نمازِ جنازہ میں شریک ہونے پائیں (رسالہ تنزیہ الامامیہ ص ۱۶۰)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اب آپ ہی اندازہ لگائیں کہ اس سے بڑھ کر صحابہ کرام اور محسنانِ ملت کی عداوت اور دشمنی کے ساتھ ساتھ دین و دیانت اور ایمان و امانت کی دشمنی کیا ہوگی؟ اور حضرت زہراء اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما پر بہتان اور افتراء پردازی کی دلیل کیا ہوگی کہ وصیت کی عبارت روضۃ الاحباب کے حوالے سے مدارج النبوت میں صراحت کے ساتھ مذکور ہونے کے باوجود اس کو چھوڑ کر اپنی طرف سے نئی عبارت ذکر کر دی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس تحریف و تغییر کی عادت اسلاف میں تھی۔ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ بَعْضِ مَوَاضِعِہٖ ۔ وہ نہ صرف باقی ہے، بلکہ مرورِ ایام کے ساتھ اس میں اضافہ اور ترقی ہوتی ہے، کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ کیا یہ ظلم کی انتہا نہیں کہ جس شیخ عبدالحق کا نام لے کر اہل سنت بلکہ تمام عالم اسلام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ ان حضرات کے جنازہ میں شامل نہ کیے جانے کی وجہ کیا تھی، وصیت کا لفظ تو ان سے لے لیا، مگر اس کی تشریح اپنی مرضی کے مطابق کر دی اور ان کی تصریح کے سراسر خلاف اور ساتھ ہی ان کی عبارت بھی نا تمام ذکر کی اور ان کی پوری تحقیق ظاہر ہونے دی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

در روایات درخبر شدہ شدن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و آمدن او بر جنازۂ زہرا و نماز گزاردن وے و عثمان بن عفان و عبدالرحمٰن بن عوف و زبیر بن العوام نیز آمدہ است ——— یعنی گو مشہور قول پہلا ہے اور روضۃ الاحباب میں اسی کو ذکر کیا گیا ہے، لیکن روایات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطلاع دیئے جانے اور ان کے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے جنازے میں شامل ہوتے اور پڑھنے کا تذکرہ ہے اور آپ کے ساتھ حضرت عثمان بن عفان، عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم کا نماز پڑھنا بھی منقول ہے، یعنی اس مضمون کی صرف ایک ایک نہیں، کئی روایات مروی و منقول ہیں، لیکن ڈھکو صاحب نے اس عبارت کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں ذکر فرمایا، و بتحقیق آمدہ است در اخبار کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ حاضر نشد جنازہ فاطمہ را و نرسیدہ بداں پس میگویند کہ فاطمہ وصیت کردہ بود کہ نماز نگزارد ابوبکر بر جنازہ وے و گفتہ اند کہ ایں سخن غلط است و افترا است و چگونہ وصیت کند وے رضی اللہ عنہا بداں باوجود آنکہ احق بامامت نماز جنازہ سلطان است و لہذا گذاشت امام حسین رضی اللہ عنہ مروان بن الحکم را کہ حاکم مدینہ بود از جانب معاویہ کہ نماز کند بر جنازہ امام حسن رضی اللہ عنہ و گفت اگر حکم شریعت نمی بود، نمی گزاشتم ترا کہ نماز کردی بر وے (جلد سوم صفحہ ۴۸۰ و ۴۸۱)

اخبار و روایات میں یہ امر مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے جنازے میں حاضر نہ ہوتے اور نہ پہنچے۔ کچھ لوگوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے وصیت فرمائی تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھیں، لیکن دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ یہ بات سراسر غلط ہے اور محض افترا اور بہتان ہے، آپ کس طرح اس امر کی وصیت کر سکتی تھیں، جبکہ ازروئے شریعت نمازِ جنازہ کا سب سے زیادہ حقدار حاکمِ اسلام ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے مروان بن حکم کو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھنے کی اجازت دے دی تھی جو کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ منورہ کا حاکم مقرر تھا اور فرمایا کہ اگر شریعتِ مطہرہ کا حکم اس طرح نہ ہوتا، تو میں ہرگز تجھے نمازِ جنازہ نہ پڑھانے دیتا۔

الغرض جو کچھ علامہ ڈھکو صاحب نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی وصیت کی تشریح میں ذکر کیا ہے، وہ ان کی اپنی اختراع ہے اور حضرت عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کسی کتاب میں اس کا نام و نشان نہیں، بلکہ انہوں نے اس کو کذب اور افترا سے تعبیر کیا ہے۔ مذہب و مسلک اور عقیدہ و نظریہ کا اختلاف اپنی جگہ مگر اس قدر دروغ گوئی اور افترا پردازی تو غیر مسلم بھی گوارا نہ کریں گے جس کو ان علماء شیعہ نے کارِ ثواب سمجھ کر اپنا رکھا ہے اور نوے فیصد درجات کا حصول اس پر موقوف کر دیا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حضرت زہرا فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نمازِ جنازہ پڑھانا

یہ حقیقت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ روایات میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نمازِ جنازہ میں شامل ہونا، بلکہ خود بھی پڑھانا ثابت ہے۔

۱۔ عن جعفر بن محمد عن ابیه قال ماتت فاطمة بنت النبی صلی اللہ علیه وسلم فجاء ابوبکر وعمر رضی اللہ عنهما لیصلیا فقال ابوبکر لعلی بن ابی طالب رضی اللہ عنه تقدم فقال ما کنت لاتقدم وانت خلیفة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فتقدم ابوبکر فصلّی علیها۔ (کنز العمال ج ۶، ص ۳۵۴)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والدِ گرامی حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا وصال ہو گیا، تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما آئے تاکہ نماز پڑھیں۔ پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا آگے بڑھئے اور نماز پڑھایئے، تو آپ نے کہا میرے لئے یہ زیبا نہیں کہ میں آگے بڑھوں، جبکہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور نائب ہو، (اور موقعہ پر موجود ہو) چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، پس انہوں نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا پر نماز پڑھائی۔

۲۔ علامہ حلبی نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے، روی ابن سعد، ان ابابکر رضی اللہ عنه جاء الیٰ بیت علی لما مرضت فاطمة فاستاذن علیها فقال علی کرم اللہ وجهه هٰذا ابوبکر علی الباب یستاذن فان شئت ان تاذنی له فاذنی قالت وذالك احب الیك قال نعم فاذنت له فدخل واعتذر الیها فرضیت عنه وان ابابکر رضی اللہ عنه صلیٰ علیها۔ (ج ۳، ص ۳۹۹)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف آئے، جبکہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا بیمار تھیں، پس اذن طلب کیا تو انہوں نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا سے کہا: یہ ابوبکر دروازہ پر موجود ہیں اور اذن طلب کرتے ہیں۔ اگر چاہو اور مناسب سمجھو تو اجازت دے دو، تو آپ نے دریافت کیا کہ تمہیں میرا اجازت دینا پسند ہے۔ تو انہوں نے فرمایا: ہاں مجھے تو پسند ہے۔ چنانچہ آپ نے اجازت دے دی۔ وہ اندر حاضر ہوئے اور آپ سے معذرت کی، تو آپ ان سے راضی ہو گئیں اور بے شک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہی آپ پر نماز جنازہ پڑھائی۔

۳۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے (تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۸۱)

در فصل الخطاب آوردہ کہ ابوبکر صدیق و عثمان بن عفان و عبدالرحمٰن بن عوف و زبیر العوام وقتِ نمازِ عشاء حاضر شدند و رحلت حضرتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا در میانِ مغرب و عشاء شب سہ شنبہ سوم ماہِ رمضان المبارک بعد از شش ماہ از واقعہ سرورِ جہاں بوقوع آمدہ بود و سنین عمرش بست و ہشت بود و ابوبکر بموجب گفتہ علی مرتضٰے (رضی اللہ عنہ) پیش امام شد و نماز برِوے گزارد و چہار تکبیر بر آورد۔

یعنی فصل الخطاب میں نقل کیا ہے کہ ابوبکر صدیق، عثمان ذی النورین، عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم نماز عشاء کے وقت حاضر ہوئے اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا وصال مغرب اور عشاء کے درمیان ہوا تھا، یعنی منگل کی رات اور ماہِ رمضان کی تین تاریخ کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے چھ ماہ بعد جبکہ آپ کی عمر شریف اٹھائیس برس تھی اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے کہنے پر آپ کی نمازہ جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔

۴۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عبارت گزر چکی، جس میں تصریح ہے کہ متعدد روایات میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے نمازِ جنازہ میں شامل ہونے کی تصریح ہے اور معتزلہ بھی اسی کے قائل اور معترف ہیں، چنانچہ قاضی عبدالجبار نے مغنی میں اسی کی تصریح کی ہے اور ابوعلی سے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بھی اسی طرح نقل کیا ہے: اَمّا امر الصّلوٰۃ فقد روی ان ابا بکر ھو الذی صلیٰ علیٰ فاطمۃ علیہا السلام وکبر علیہا اربعا و ھٰذا احد ما استدل بہ کثیر من الفقہاء فی التکبیر علی المیت۔

(بحوالہ شرح حدیدی جلد ۱۶، صفحہ ۲۷۱)

رہا نماز کا معاملہ تو روایت کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا پر نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں اور جنازہ پر چار تکبیریں کہنے کے دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے جس سے بہت سے فقہاء نے استدلال کیا ہے۔

ادائیگی نمازِ جنازہ کے وجوہ ترجیح

۱۔ شیخ محقق کی زبانی معلوم ہو چکا کہ از روئے شرع شریف نمازِ جنازہ کا اصل حقدار ہی حاکم اسلام ہے اور اہل بیت کرام بھی اس کے قائل اور معترف تھے، اسی لیے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی بجائے مروان بن الحکم حاکم مدینہ نے پڑھائی تھی۔

۲۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازیں ادا کرتے تھے اور یہ حقیقت حضرت زہرا رضی اللہ عنہا سے بھی مخفی نہیں تھی، تو جب حضرت علی رضی اللہ عنہ پانچوں وقت ان کی اقتداء کرتے ہوں، تو ان کو اپنے امام کو نماز جنازہ ادا کرنے سے روکنے کی وصیت کرنا کسی بھی عقلمند کی عقل کس طرح گوارا کر سکتی ہے۔ نیز حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے سپرد حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا غسل اور کفن وغیرہ تھا، تو بیوی سے اس قدر قریبی ربط و تعلق اور خاوند سے اس قدر عداوت اور دشمنی کا کوئی معقول انسان تصور کر سکتا ہے، جبکہ وہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی بیوہ تھیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کا نکاح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ اگر انہیں اہل بیت کرام عزیز تھے اور خاوند کے اقدامات سے بیزار تھیں، تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں کیوں رہتی تھیں اور اگر انہیں اہل بیت کرام سے عداوت ہوتی، تو ایسی عورت کو اپنی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

زوجیت میں کیسے رکھتے، لہٰذا جنازے میں شمولیت سے باز رکھنے کی وصیت کا کوئی امکان ہی نہیں اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے بوجہ اسماء نماز جنازہ کا اخفا ممکن ہی نہ تھا۔

۳۔ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تقیہ کا علم تھا یا نہیں؟ دوسری شق کا بطلان واضح ہے اور پہلی صورت میں ان کو ایسی وصیت کر کے ان کے تقیہ کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑنے والی بات تھی اور قبل ازیں بیعت کے معاملہ بقول شیعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے بہی خواہوں کا جبر و تشدد بھی دیکھ چکی تھیں، تو خود جہان سے رخصت ہوتے ہوتے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے دوبارہ پریشانی اور مخاصمت کا سامان کر جانے کا آپ کس طرح سوچ سکتی تھیں۔

۴۔ بیمار پرسی اور عیادت کے لیے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اندر آنے کی اجازت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ لے دیں اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اُن کی مرضی معلوم کر لیں اور اجازت دے دیں اور نماز جنازہ جیسے اہم معاملہ میں جو حق ہی دراصل حاکم اسلام کا ہو، اس میں رکاوٹ ڈالیں اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر اپنی مرضی مسلط فرمائیں، کیا اس کی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا جیسی معدن تقویٰ و ورع سے توقع ہو سکتی تھی؟ جبکہ یہ بھی ثابت ہو چکا کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ باہم ایک دوسرے سے راضی ہو چکے تھے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں راضی نہیں کر لیا تھا، اُن کے گھر اور در سے نہیں اُٹھے تھے۔

لہٰذا جب حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی طرف سے ان حضرات کو نماز جنازہ سے دور رکھنے کی وصیت باطل ہو گئی اور اصل حق بھی نماز جنازہ پڑھانے کا حاکم اسلام کے لیے ثابت ہو تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بغیر حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھایا جانا بعید ہے، بلکہ مشکل ہے، بلکہ ناممکن ہے اور چونکہ تستر اور پردہ داری کے اہتمام و التزام کی وجہ سے عام لوگ شامل نہیں تھے، صرف خواص تھے، لہٰذا اگر عام لوگوں کو پتہ نہ چل سکا ہو تو یہ امر بعید نہیں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے شامل نہ ہونے کی شہرت کا سبب بھی۔ یہیں سے واضح ہو جاتا ہے، جبکہ یہ حقیقت محتاج

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بیان نہیں کہ ہر مشہور بین الناس قول ضروری نہیں کہ واقعہ کے مطابق بھی ہو، جبکہ یہود و مجوس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ایسے مواقع کو غلط رنگ دے کر اہلِ اسلام میں افتراق و انتشار پیدا کرنے اور ان کی نظریاتی وحدت اور جمعیت ملت کو پراگندہ کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی تھی۔

سوال: مسلم شریف ج ۲ ص۱۹ میں بصراحت موجود ہے:

فلمّا توفیت دفنھا زوجھا علی بن ابی طالب لیلاً ولم یوذن بھا ابابکر وصلّی علیھا علیؓ۔ جب حضرت زہرا رضی اللہ عنہا نے وفات پائی، تو انہیں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے رات کے وقت دفن کر دیا اور ان کے متعلق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطلاع نہیں دی تھی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان پر نماز پڑھی۔ لہٰذا مسلم شریف کے مقابلہ میں کنز العمال وغیرہ کی روایت کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟

جواب: مسلم شریف کی روایت کو از روئے سند قوی تسلیم کر بھی لیں تو بھی اس کے مضمون اور متن کو دوسری روایات پر ترجیح اس معنی و مفہوم کے لحاظ سے نہیں ہو سکتی جو شیعہ حضرات کشید کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ اس میں صرف اتنا قدر بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اطلاع نہیں دی تھی، تو اس سے کیسے لازم آیا کہ ان کو اطلاع ہی نہیں ہوئی تھی۔ فرد واحد سے ایک فعل کی نفی کر دینے سے مطلقاً اس فعل کی نفی کیسے ثابت ہو گئی۔ جبکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ہی حضرت زہرا فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تجہیز و تکفین کرنے والی تھیں، تو لازمی طور پر انہوں نے اطلاع دی ہو گی نیز حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اگر ان کے خاوند تھے، تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ان کے نانے تھے، تو خاوند پر کیا لازم تھا کہ نانے صدیق اور دادے حضرت عباس کو اطلاع دیں، ان کا اپنے ذرائع سے معلوم کرنا ہی ان کے شایانِ شان تھا علاوہ ازیں اس روایت میں دفن اور نماز دونوں میں صرف حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے تو اسلامی فرقوں میں سے یہ کس کا مذہب ہے کہ سوائے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کوئی

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

فرد بھی نہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے جنازہ میں شریک تھا اور نہ دفن میں۔ اگر اس روایت سے حضرات شیعہ کے مسلمہ سات افراد کی نمازِ جنازہ اور تدفین زہرا میں شمولیت کی نفی نہیں ہوتی، تو ہمارے مذہب و مسلک کے مطابق ان حضرات کی شمولیت کی نفی کیونکر ہو سکتی ہے، کیا حسنین اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم بھی شامل نہیں تھے، لہٰذا اس روایت سے ان حضرات کے نہ علم و اطلاع کی نفی ہو سکتی ہے اور نہ نمازِ جنازہ اور تدفین میں شامل ہونے کی، جبکہ ہماری ذکر کردہ روایات و حوالہ جات سے ان کی شمولیت کا اثبات ہے اور درایتی و عقلی وجوہ بھی اسی شمولیت کے مؤید ہیں، لہٰذا وہی راجح و مختار اور اقرب الی الصواب ہے۔ رہ گیا اس روایت کے مطابق حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا بوقتِ شب دفن کیا جانا تو اس میں بحث ہی نہیں اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی تدفین کرنا اور ان پر نماز پڑھنا، تو اس کا کس کافر کو انکار ہے، لیکن اس کا مطلب ہو نماز پڑھانا، تو جب دوسرے کسی دوسرے آدمی کا ذکر ہی نہیں تو امامت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کیسے ثابت ہو گئی تاکہ ہماری پیش کردہ روایات کے معارض ہو، بلکہ حقیقتِ حال یہی ہو گی کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے پڑھی، جس طرح دوسرے چند خواص نے پڑھی، لیکن پڑھائی کس نے، تو اس کی وضاحت حضرت امام جعفر صادق اور امام محمد باقر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت نے کر دی۔ ہم پر تو الزام عائد کیا جاتا ہے کہ اہل بیت کی روایات کو تسلیم نہیں کرتے، لیکن صورتِ حال برعکس نکلی۔ ہم ان دونوں اماموں کی روایت کو مان رہے ہیں، جبکہ شیعہ ابن شہاب زہری کی روایت پر اپنے کشید کردہ مفہوم کے مطابق ایمان لاتے اور اہل بیت کرام کی روایت کو نظر انداز کر دیا۔

علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں ذکر کیا: روی ابن سعد عن عمرۃ قالت صلی العباس علی فاطمۃ ونزل ھو وابنہ الفضل وعلی رضی اللہ عنھم فی حفرتھا۔ یعنی ابن سعد نے عمرہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا پر نماز

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

جنازہ پڑھی اور وہ خود اور اُن کے صاحبزادے حضرت فضل اور حضرت علی رضی اللہ عنہما آپ کی قبر شریف میں اترے، لیکن بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اور واقدی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے کہا: اِنَّ علیاً صلیٰ علیھا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ پر نماز پڑھی۔ تو علامہ زرقانی نے اس تخالف کو دُور کرتے ہوئے فرمایا: ولا خلف فکل صلیٰ علیھا والامام العباس لانہ عمہ فقدمہ کہ ان دونوں روایات میں باہم کوئی تخالف و تناقض نہیں کیونکہ ہر ایک نے ان پر نماز پڑھی اور امام حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے، کیونکہ وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے چچا تھے، لہٰذا انہیں آگے کھڑا کیا اور امام بنایا۔

اس بحث سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ صَلیٰ عَلَیْھَا عَلِیٌّ سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بنے ہوں، کیونکہ اس میں امامت کا بیان مطلوب ہوتا تو صلیٰ بالنّاس علیھا وغیرہ کہا جاتا، جب امام بننے کی تصریح نہیں ہے تو بخاری و مسلم کی یہ روایت جس طرح حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی امامت کی نفی نہیں کرسکتی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کی نفی بھی نہیں کرسکتی، کیونکہ روایت میں صلیٰ العباس بالنّاس علیٰ فاطمۃ کے الفاظ تو نہیں ہیں تاکہ روایت اس معنی پر صریح الدلالت ہو، بلکہ محض حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے چچا ہوتے اور عمر رسیدہ بزرگ ہونے کو اس ظنِ غالب کا قرینہ بنایا گیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عمر رسیدہ ہونا اور خلیفۂ وقت ہونا اس امر کا اقویٰ قرینہ ہے کہ امام انہیں بنایا گیا، کیونکہ شریعتِ مطہرہ میں اصل حقدارِ امامت کے وہی تھے، لہٰذا جب ان کی نمازِ جنازہ میں شمولیت ثابت ہوگئی اور روایت سے بھی اور درایت سے بھی، اُن کی امامت بھی ثابت ہوگئی۔

سوال: علامہ زرقانی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جنازہ میں شامل ہونے والی روایات پر جرح کردی ہے اور انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔: و

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

للواقدی عن الشعبی صلی ابوبکر علی فاطمة وهذا فیه ضعف وانقطاع وروی عن بعض المتروکین عن مالك عن جعفر بن محمد نحوه رواه الدارقطنی وابن عدی۔
یعنی واقدی نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت زہرا رضی اللہ عنہا پر نماز پڑھی اور اس میں ضعف اور انقطاع ہے اور بعض متروک راویوں نے امام مالک رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے اس طرح نقل کیا ہے اور اس کو دارقطنی اور ابن عدی نے ضعیف قرار دیا ہے، تو ایسی ضعیف روایات کا سہارا لے کر حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دفاع کیسے کیا جا سکتا ہے؟

جواب: ان حضرات کے تبصروں کا تعلق محض سند سے ہے اور سند کا ضعف علی الاطلاق متن اور مضمونِ حدیث کے ضعف کو مستلزم نہیں ہوتا جیسے کہ کتبِ اُصول میں صراحت کی گئی ہے اور امام نووی نے مسلم شریف کی عبارت عرف التمییز بین صحیح الروایات وسقیمہا وثقات الناقلین لھا من المتھمین کے تحت فرمایا، لیس ھو من باب التکرار للتاکید بل لہ معنی غیر ذالك فقد تصح الروایات لمتن ویکون الناقلون لبعض اسانیدہ متھمین الخ جلد اوّل، صـ۲ یعنی قول مسلم صحیح الروایات پر ثقات الناقلین کا عطفِ تکرار اور تاکید کے قبیل سے نہیں ہے، بلکہ معطوف کا معنی معطوف علیہ سے مختلف ہے، کیونکہ کبھی روایات متن کے اعتبار سے صحیح ہوتی ہیں اور ان کے نقل کرنے والے بعض سندوں کے لحاظ سے متہم ہوتے ہیں اور ترمذی شریف میں بہت سی ایسی روایات ہیں جن پر باعتبارِ سند ضعف کا حکم لگایا گیا، لیکن مضمون اور متن کی صحت کو اس کے تمام اہلِ علم صحابہ و تابعین کے معمول بہ ہونے سے واضح کر دیا گیا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

نیز شیعہ حضرات کے ہاں ابلیس جیسے لعین اور کذّاب سے روایات منقول ہیں؛ جن پر ان کے ایمان کا دارومدار ہے، جیسے کہ شیعہ کے ادب اہل بیت کا نمونہ دکھلاتے ہوئے علل الشرائع کے حوالے سے ذکر کروں گا، لہٰذا یہ امر مسلّم بین الفریقین ہو گیا کہ ضعف علی الاطلاق ضعف متن کو مستلزم نہیں ہوتا اور یہ بھی مسلّم امر ہے کہ جب ضعیف روایت مختلف طرق سے مروی و منقول ہو تو وہ درجہ حسن تک پہنچ جاتی ہے اور اس روایت کے طرق اور اسانید کا تعدّد علامہ زرقانی کی عبارت سے بھی ظاہر ہے اور شیخ محقق عبدالحق محدّث دہلوی علیہ الرحمہ کے قول سے بھی ثابت ہو چکا کہ کئی روایات سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے جنازہ میں شمولیت ثابت ہے اور بخاری و مسلم کی روایات سے ان روایات کی نفی بھی نہیں ہو سکتی، جیسے کہ عرض کر چکا ہوں، لہٰذا ان روایات کو رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور نہ ہی کسی طرح اس امر کا یقین کیا جا سکتا ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے جنازہ میں شامل نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی طرف سے کوئی ایسی وصیت ہی ثابت ہے تو محض ظن و گمان اور تخمینوں سے کام لیتے ہوئے اتنی عظیم شخصیات کو مورد الزام ٹھہرانا کسی طرح بھی روا نہیں ہو سکتا، جیسے کہ بارہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد نقل کر چکا ہوں کہ یہ امر عدل و انصاف کے خلاف ہے کہ تنفہ شخص بر ظن و گمان کے تحت کوئی حکم لگا دیا جائے۔ نیز یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہے کہ شیعہ مدّعی ہیں اور قطعی دلیل پیش کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔ ہمارے لئے تو ابداءِ احتمال اور جانبِ مخالف کا امکان بیان کر دینا ہی کافی ہے، مگر ہم نے بحمدہٖ تعالیٰ جانبِ مخالف یعنی صلوٰۃ صدیق کا رجحان اور اس مضمون کی روایات کا لائقِ اعتبار اور قابلِ استدلال ہونا بھی واضح کر دیا ہے۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

ابن شہاب زہری کی روایات کی حیثیت

اہل السنت پر اعتراض کرنے سے پہلے اہل السنت کے مذہب کے متعلق واقفیت ضروری ہے۔ ذاکرینِ اہلِ تشیع جب اپنے مذہب کے اصولوں سے ناواقف ہیں تو اہل السنت والجماعت کے اصول سے کیونکر واقف ہو سکتے ہیں۔ میاں! اہل السنت والجماعت کے مذہب کا اصل الاصول یہ ہے کہ حدیث کی صحت یا ضعف اس کے راوی کی صحت یا ضعف پر موقوف ہے۔ اگر حدیث کا راوی صحیح العقیدہ، سچا، صحیح حافظہ والا ہے، تو اس کی روایت کو صحیح مانا جائے گا، ورنہ وہ روایت ضعیف (یا موضوع) کہلائے گی۔

اب فدک والی روایت دیکھئے، اس کی سند میں ایک راوی محمد بن مسلم ہے جس کو ابن شہاب زہری بھی کہتے ہیں۔ صرف یہی راوی یہ روایت کرتا ہے (جس میں نہ ختم ہونے والی ناراضگی اور ہجران و قطع تعلقی وغیرہ کا ذکر ہے) اس کے ساتھ دوسرا کوئی شاہد نہیں اور یہی محمد بن مسلم ابن شہاب زہری اہل تشیع کی اصول کافی میں بیسیوں جگہ پر روایت کرتا نظر آتا ہے اور اہل تشیع کی فروع کافی نے تو اس کی روایات کے بل بوتے پر کتاب کی شکل اختیار کر لی ہے۔ تو بھائیو! اہلِ تشیع کے اس قدر مشہور و معروف کثیر الروایت آدمی کی روایت سے اہل السنت پر الزام قائم کرنا اور ائمہ صادقین کو جھٹلانا عجیب نظر و فکر ہے۔ اگر اہل تشیع کے راویوں کی روایات اہل السنت کے لیے قابل ہوتیں تو پھر بخاری ہو یا کلینی اس میں کیا فرق تھا۔

آپ کی مزید تسلی کے لیے اسی محمد بن مسلم بن شہاب صاحب کو کتاب منتہی المقال

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یا رجال بوعلی میں شیعوں کی صف میں بے نقاب بیٹھا ہوا دکھاتے ہیں۔ دیکھو کتاب رجال بوعلی، جہاں صاف لکھا ہے کہ محمد بن مسلم بن شہاب زہری شیعہ ہے تو ذرک کا جھگڑا اب تو ختم کرو۔ ہم تو ابن شہاب زہری کو اچھا سمجھتے رہتے۔ اگر گھر کے بھیدی یہ بھید نہ کھولتے۔ اس کے باوجود بھی اس کی روایت پر غور کرتے۔ اگر کوئی ایک آدھ دوسرا راوی بھی اس کے ساتھ مل کر ایسی شہادت دیتا۔

کیا اہل السنت غریب اس قدر مظلوم ہیں کہ ان کے مذہب کے خلاف اگر کوئی شیعہ اور وہ بھی اکیلا روایت کردے، تو اس کو اہل السنت کے خلاف بطور الزام پیش کیا جاتا ہے اور اہل تشیع اس قدر با اختیار ہیں کہ ان کی اپنی کتابوں میں ائمہ معصومین کی سند سے کوئی حدیث بیان کی جائے، تو ان کو یہ کہنے میں تامل نہیں ہوتا کہ اکیلے امام یہ روایت کرتے ہیں، ان کے ساتھ دوسرا کوئی شاہد نہیں ہے۔ لہذا یہ اخبار آحاد سے ہے اور قابل اعتبار نہیں ہے۔ دیکھو تلخیص الشافی ص ۴۲۸ مطبوعہ نجف اشرف، جس کی عبارت گزر چکی ہے سہ

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام — وہ قتل بھی کرتے ہیں، تو چرچا نہیں ہوتا

اب رہا یہ سوال کہ اہل السنت کی کتاب میں شیعہ صاحب کی روایت کو کیسے لکھ دیا گیا، تو اس کے جواب میں ہمارا صرف یہ کہہ دینا کافی ہو سکتا ہے کہ ہمیں پتہ نہیں چلنے دیا۔ میاں! جب پہلے زمانہ میں چھاپے خانے نہ تھے، نہ کاپی رائٹ محفوظ کی جاتی تھی، قلمی کتابیں تھیں، ہر شخص نقل کر سکتا تھا۔ علی الخصوص وہ لوگ جن کا دین مذہب ہی تقیہ وکتمان ہو، نہایت آسانی کے ساتھ تشریف لا سکتے تھے اور علمائے اسلام کے نہایت محب بن کر ان کی کتابوں میں حسب ضرورت کارستانیاں کر سکتے تھے (یا راوی حدیث بن کر ایسی روایات کو تقیہ کی آڑ میں اہل السنت میں شائع کر دیتے تھے اہل السنت ظاہر کو دیکھ کر سنی سمجھتے اور ظاہری تقویٰ اور زہد و ورع کے تحت حسن ظن سے کام لیتے ہوئے روایت کو درست مان لیتے)

اس پر بھی ثبوت کی ضرورت ہو تو قاضی نور اللہ شوستری کی مشہور ترین کتاب

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مجالس المومنین کا صـ۲ مطالعہ فرمالیں کہ ہم لوگ شروع شروع میں سنی اور حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی بن کر اہل السنت کے استاذ اور ان کے شاگرد بنتے رہے، ان سے روایات لیتے تھے اور انہیں احادیث سناتے تھے اور تقیہ کی آڑ میں اپنا کام کرتے رہتے تھے۔ یہ کتاب ایران کی چھپی ہے اور فارسی زبان میں ہے ہر شخص مطالعہ کرسکتا ہے تو یہ کیا مشکل تھا کہ اسی آڑ میں کسی غریب سنی کی کتاب میں یہ کارفرمائی بھی کرلی ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے حوالے سے یہ کہنا کہ انہوں نے بخاری شریف کی تمام روایات کو برحق تسلیم کیا اور یہ صحیح سمجھا ہے، سراسر غلط اور صریحًا جھوٹ ہے۔ حضرت شاہ صاحب فقط مرفوع حدیث کے متعلق صحت کا دعوٰی کرتے ہیں اور باغِ فدک کو تقسیم نہ کرنے کی روایت کوئی مرفوع حدیث نہیں ہے۔ مرفوع حدیث صرف وہی ہوتی ہے، جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہو یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہو یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانۂ اقدس میں کوئی عمل ملاحظہ فرمانے کے بعد اس کو جائز اور برقرار رکھا ہو۔ دیکھئے فنِ حدیث شریف کے متعلق علماء حدیث کی تصریحات، جبکہ فدک کی روایات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے واقعات پر مشتمل ہیں۔

اگر ہم اہلِ تشیع کے اس راوی کو سچا مان لیں اور غیر مذہب ہونے کے باوجود اس کی روایت کو اپنی کتاب میں لکھ بھی لیں اور یہ بھی تسلیم کرلیں کہ خود ہم نے اس کی روایت کو اپنی کتاب میں لکھا ہے تو پھر بھی ہمارے اصول کے مطابق بلکہ اہلِ تشیع کے اصول کے مطابق بھی یہ روایت قابلِ حجت نہیں کیونکہ اس کا صرف ایک راوی ہے اور یہ اخبارِ آحاد سے ہے اور اخبارِ احاد (عقائد و نظریات میں، حجت نہیں ہوتیں۔ اہل السنت کے اصول کو نظر انداز کرکے خود اہلِ تشیع کے امام الطائفہ ابوجعفر طوسی کی کتاب تلخیص الشافی صـ۴۲۸ کا مطالعہ کرلیں جہاں صاف لکھا ہے کہ اخبارِ آحاد ناقابلِ حجت ہوتی ہیں جیسا کہ بیان ہوچکا اور غریب اہل السنت والجماعت ائمہ کرام کی روایات کو تو سر آنکھوں پہ تسلیم کرتے ہیں اور اگر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کسی غیر مذہب کے راوی کی منفرد روایت بھی اسی طرح تسلیم کریں کہ جس کے تسلیم کرنے سے تمام ائمہ طاہرین کی تکذیب لازم آتی ہو اور شانِ رسالت کے متعلق بھی بُرا عقیدہ لازم آتا ہو، تو بھائی ہمیں اس کجروی سے معاف رکھیں۔ ہم سے یہ توقع رکھ کر ہم پر الزام قائم نہ کریں ہمارا اتنا حوصلہ نہیں ہے۔ ہم تو اس قصّے کو الف لیلیٰ سے زیادہ وقعت نہیں دے سکتے۔

فدک کے متعلق مزید تحقیق دیکھنا چاہیں تو کتاب "آیات بینات" مؤلفہ جناب سید محمد مہدی علی خان صاحب تحصیلدار مرزا پور جلد دوم مطالعہ فرمائیں حقیقت یہ ہے کہ تحصیلدار صاحب موصوف کے دلائل اور انداز بہت محققانہ اور فاضلانہ ہے۔ جن دلائل اور جس بحث کو صاحبِ موصوف نے قلمبند فرمایا ہے، یہ انہیں کا حصّہ ہے۔ تحصیلدار صاحب کی وسعتِ نظر اور ان کی مبصرانہ بحث قابلِ تحسین ہے۔

تو میں گزارش کر رہا تھا کہ ائمہ معصومین کی تصریحات کے بالمقابل اس قسم کی روایات گھڑنا اور ان کے صریح ارشادات کے معانی و مطالب میں غلط تصرفات اور نامعقول تبدیلیاں کرنا اور بعید از قیاس مفہومات بیان کر کے اللہ تعالیٰ کے مقدس گروہ کی شان میں سب وشتم کے لیے منہ کھولنا حد درجہ جسارت اور گستاخی ہے، بلکہ حد درجہ بے ایمانی ہے اہل السنت کے مذہب کے خلاف اعتراض کرنے اور ان پر کوئی الزام بھی لگانے سے پہلے یہ ضرور مدِ نظر رکھا جائے کہ ان کے مذہبی اصول کیا ہیں۔ اہل السنت کے سامنے کوئی بھی روایت پیش کی جائے، تو سب سے پہلے ان کی نگاہیں سند کو تلاش کرتی ہیں۔ سند کے تمام اشخاص ان کی کتب اسماء رجال کی تصریح کے مطابق اگر اہل السنت، سچے، اور راست باز، صحیح حافظہ والے ثابت ہو جائیں، تو پھر بے دھڑک ان پر ایسی روایات کو بطورِ الزام پیش کیا جا سکتا ہے اور اگر سند میں ایک راوی بھی بدمذہب جھوٹا سیّئ الحفظ دھوکہ دینے والا ثابت ہو جائے، تو اس روایت کو الزام دینے والے کے گلے میں لٹکا دیتے ہیں؛ کیونکہ ان کا مذہب اس قسم کی روایات پر مبنی نہیں ہے۔ فرض بھی کر لیں کہ اس قسم کی روایات اہل السنت کی کتابوں میں کسی تقیہ باز کی کرم فرمائی سے درج ہوں، مگر ان کی نگاہِ امتیاز سے بروقت بچنا چاہیے: اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یعنی مومن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے، بلکہ اہل السنت کے ہاں روایت کی جانچ اور پڑتال کے لیے علاوہ علم الاسناد کے قرآن مجید اور حدیث متواتر بھی معیار اور کسوٹی ہیں کہ جو قرآن کریم کے احادیث متواترہ کے برخلاف ہوگی اس کو ناقابل قبول و تسلیم اور ناقابل عمل قرار دیتے ہیں، خواہ ایسی روایت کی سند کے متعلق کسی قسم کا تبصرہ نہ بھی کیا گیا ہو، غرضیکہ صداقت اور سچائی اور راست بازی کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں اور اسی کو ہر روایت اور درایت کا مبنیٰ اور موقوف علیہ قرار دیتے ہیں اور اسی پر ان کے مذہب کی بنیاد ہے۔

کاش اہل تشیع بھی کم از کم ایسے لوگوں کی روایت پر عمل نہ کرتے، جن کو ائمہ صادقین نے ان کی اپنی کتابوں میں کذاب (بڑا جھوٹا) اور وضاع (روایات گھڑنے کا بہت عادی) اور لعنتی وغیرہ کے القاب کے ساتھ سرفراز فرمایا ہے، تو مجھے یقین ہے کہ شیعہ وسنی نزاع دیکھنے میں نہ آتا۔ مثلاً اہل تشیع کے مخصوص روایات کے راویوں کا حال رجال الکشی وغیرہ میں دیکھئے اور میری اس گزارش کی تصدیق کیجیے اور جن راویوں کے متعلق ائمہ معصومین نے مذکورہ بالا کلمات نہیں فرمائے، تو ان کی روایات کلیتہً نہیں تو بالاکثریت اہل السنت کی روایات سے ملتی جلتی ہیں، جن کو بغرض خیر خواہی اہل تشیع کی خدمت میں (فضائل صحابہ اور خلافت وغیرہ کے معاملات میں) پیش کیا گیا ہے اور باقی علماء حضرات بھی پیش کرتے رہتے ہیں

رسالہ تنزیہہ الامامیہ — از علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب

زہری کو شیعہ ثابت کر کے روایات بخاری سے گلو خلاصی ممکن نہیں ہے۔ اس کے متعلق ہم چند گزارشات پیش کرتے ہیں،

اوّل: تمام علماء اہل السنت کا اس پر اجماع ہے کہ جو کچھ بخاری و مسلم میں درج ہے، وہ سب صحیح ہے۔

دوم: زہری کے تسنن اور اس کی جلالت قدر پر تمام علماء رجال اہل السنت کا اتفاق ہے۔

سوم: اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے جیسے کہ بعض علماء شیعہ نے لکھا ہے کہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

زہری نے آخری عمر میں شیعہ مذہب قبول کر لیا تھا تو پیر صاحب اس پر روشنی ڈال سکیں گے کہ اس کی یہ روایاتِ شیعہ ہونے کے بعد کی ہیں نہ پہلے کی۔

چہارم: اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ وہ ابتدا سے شیعہ تھا، تو پیر صاحب کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس میں جو تشیع پایا جاتا تھا، وہ مع الرفض تھا۔ یعنی وہ تبرائی شیعہ تھا یا محض محبتِ اہل بیت اور ان کی افضلیت کا قائل جو قبول روایت کے منافی نہیں ہے۔

پنجم: ذہبی کے بیان کے مطابق زہری دو ہزار دو سو حدیث کا راوی ہے، پھر ان سب سے ہاتھ دھونے پڑیں گے جو اہل السنت کے لیے مہنگا سودا ہے۔ کیا پیر صاحب اور ان کے چیلے چانٹے اس خسارے کا سودا کرنے کے لیے تیار ہیں۔

کیا یہ مضحکہ خیز بات نہیں ہے کہ چودہ سو سال کے علماء اہل السنت پر یہ عقدہ وا نہ ہوا اور نہ غلط روایات سے اپنی کتب کی تطہیر کی۔ اگر انکشافِ حقیقت ہوا، تو چودھویں صدی میں حضرت پیر سیالوی یا مولوی احمد شاہ چوکیروی پر گویا پہلے سب علماء اہل السنت مُورکھ، جاہل اور غیر محقق تھے۔ اگر محقق پیدا ہوتے تو یہی بزرگوار یا للعجب ولضیعۃ الادب۔

تحفہ حسینیہ — ابوالحسنات محمد اشرف السیالوی غفرلہ

معاملہ ابن شہاب زہری کا

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے ابن شہاب زہری کی اس قسم کی روایات پر جہاں حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ناراضگی ان سے کلام وخطاب کے ترک اور نمازِ جنازہ کی اطلاع نہ دینے کو بڑے اہتمام سے بیان کیا گیا ہے۔ ان پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ سوال اٹھایا تھا کہ جب علماء شیعہ نے اپنی کتبِ رجال میں زہری کو شیعہ تسلیم کیا ہے اور ان کی صحیح ترین کتابِ حدیث کافی کلینی میں اس سے مروی روایات بکثرت منقول ہیں اور حسبِ تصریح قاضی نوراللہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

شوستری شیعہ محدثین اور علماء کی عادت بھی یہی رہی ہے کہ وہ سُنّی بن کر احادیث کو روایت کرتے تھے کبھی اہل سنت سے روایات حاصل کرتے اور کبھی ان کو بیان کرتے اور ساتھ ہی ساتھ کچھ نہ کچھ اضافہ بھی کر دیتے تھے اور تغییر و تبدیل کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے اور انہوں نے اپنے مذہب و مسلک کی ترویج و اشاعت کے لیے گہری خفیہ سازش اور چال سے کام لیا، جس کو انہوں نے تقیہ کا نام دے رکھا تھا اور عظیم ثواب کا کام قرار دے رکھا تھا۔

خود قاضی نور اللہ شوستری کا حال یہی تھا کہ اپنے آپ کو سُنّی ظاہر کر کے پورے ہندوستان کا اکبر بادشاہ اور جہانگیر کے دور میں قاضی القضاۃ اور چیف جسٹس بنا رہا اور شیعہ مذہب و مسلک کے پرچار اور اس کی ترویج و اشاعت میں سرگرم عمل رہا، اور اسی دوران اس نے کتاب مجالس المومنین کو مرتب کیا، جس کا بعض ذرائع سے انکشاف ہو جانے پر اس کا خبثِ باطن ظاہر گیا اور اس کو کیفر دار تک پہنچا دیا گیا۔ لیکن بعض لوگ ہمیشہ تقیہ کے پردے میں رہے اور اپنے ما فی الضمیر کی کسی کو خبر نہ ہونے دی اور بعض نے موت کے قریب انکشاف کیا کہ مجھے شیعہ مذہب برحق معلوم ہوتا ہے۔ میری تجہیز و تکفین اس کے مطابق ہو تاکہ عوام کو اپنے مذہب سے متزلزل کریں اور اور انہیں یہ تاثر دیں کہ زندگی بھر سُنّی رہنے والا محدث اور مفسر جب اس مرحلہ پر یہ مذہب قبول کر رہا ہے، تو پھر یہی سچا ہوگا۔ دعتبر ذالک من الحیل وجوہ الخداع والمکر

تو جب علماء شیعہ کی عادتِ معروفہ بھی معلوم ہوگئی اور خود شیعی علماء اس کو ہم مذہب اور ہم مسلک بھی تسلیم کریں اور صرف یہی شخص ہو جو فدک کے عنوان کی اکثر روایات میں حضرت زہرا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے غضب اور ناراضگی کو ان کے ہجران اور ترک کلام کو بڑے اہتمام سے بیان کرے اور تا دمِ مرگ اس کو طوالت دیتا دکھائی دے جو ان ہستیوں کے شان کے سراسر خلاف ہو جن کو اللہ تعالیٰ نے رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ کی شان سے نوازا ہے کہ وہ آپس میں رحیم و کریم ہیں اور فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے طلب گار ہیں اور دنیا کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

مال و محبت سے ان کے دل منزہ و مبرا ہیں: أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا۔ وغیر ذالك من الآیات۔ تو ایسے شخص کے بارے میں گھر کے بھیدی کی شہادت تسلیم کرنے میں کونسا امر مانع ہو سکتا ہے؟ اور تقیہ کے ایجاد کرنے کے بنیادی تقاضے سبائی جماعت کے سامنے یہی تھے کہ مسلمان اور سنّی بن کر اسلام کے خلاف سازش کرو اور اس کی جڑوں کو کھوکھلا کر کے رکھ دو اور اسلام کو یہودیت و مجوسیت کے سانچے میں اس طرح ڈھال دو کہ نام تو اسلام کا رہے اور حقیقت یہودیت و مجوسیت والی ہو۔ لہٰذا ایسے شخص کے متعلق یہ یاد کرنے کے وجوہ موجود ہیں کہ عین ممکن ہے کہ یہ شخص بھی اسی خاندان کا فرد ہو جو اسلام اور محسنانِ اسلام کے خلاف تقیہ کے دبیز پردوں میں چھپ کر اس مشن کی تکمیل میں مصروف ہو۔

اور اہل السنت کے علما اعلام اور محدثین کرام ہزار احتیاط کریں پھر بھی کسی کے دل کی کیفیت اور حالت کا صحیح اور حتمی و قطعی علم تو اللہ علیم بذات الصدور کو ہی ہو سکتا ہے ان علماء کو غلطی لگ جانا اور واقع و نفس الامر کے خلاف کا ظن اور گمان غالب ان میں پایا جانا بعید نہیں ہے، جبکہ خطا و نسیان سے انسان بالعموم منزہ و مبرا بھی نہیں ہیں، لہٰذا ان حضرات کی مقدور بھر سعی اور جدوجہد کے باوجود بعض راویوں اور ناقلین حدیث کے متعلق ان کو مغالطہ لگ جانا عین ممکن ہے، جبکہ وہ تقیہ باز یہودی اور مجوسی بھی بڑے عیار اور ہوشیار قسم کے ہوں، تو ان کی پوری طرح پرکھ اور تمیز ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو جائے گی، لہٰذا ایسے مقامات میں خود شیعہ حضرات کا انکشافِ حقیقت نظر انداز کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی اور یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جس پر حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے زہری کے متعلق اپنے تاثرات کی بنیاد رکھی ہے۔

سوالات ڈھکو صاحب کے اور جوابات ہمارے

یہ گزارش سماعت فرمانے کے بعد اب علامہ ڈھکو صاحب کے اٹھائے ہوئے سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں، اور دادِ عدل و انصاف دیں۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سوال (قول : اس پر تمام علماء کا اجماع ہے کہ جو کچھ بخاری و مسلم میں ہے وہ سب صحیح ہے، لہٰذا زہری والی روایات بھی صحیح ہیں۔

جواب : یہ سراسر غلط دعویٰ ہے حقیقتِ حال صرف یہ ہے کہ علماء اہل السنت کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن مجید کے بعد تمام کتبِ مدونہ سے جو کسی بھی بلند سے بلند مرتبت انسان نے تالیف کی ہیں، ان سے یہ دونوں زیادہ صحیح ہیں، جیسے کہ علامہ نووی نے شرح مسلم میں فرمایا: اتفق العلماء علی ان اصح الکتب بعد القرآن العزیز الصحیحان البخاری ومسلم تلقتہما الامۃ بالقبول الخ صـ۱۳
نیز اس صحت کا حکم بھی حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرفوع اور متصل و مسند احادیث کے متعلق ہے جیسے کہ شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

فاراد البخاری ان یجمع الفنون الاربعۃ (السنۃ والتفسیر والسیرۃ والزھد) فی کتاب ویجردہ لما حکم لہ العلماء بالصحۃ قبل البخاری وفی زمانہ ویجردہ للحدیث المرفوع المسند وما فیہ من الآثار وغیرھما انما جاء بہ تبعا لا بالاصالۃ ولھذا اسمی کتابہ بالجامع الصحیح المسند۔
(رسالہ شرح تراجم ابواب صحیح البخاری صـ۱۳)

خلاصہ مفہوم یہ کہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فن سنت، فن تفسیر، فن سیرت اور فن زہد رقاق کو ایک کتاب میں جمع کرنے کا ارادہ کیا اور امام بخاری علیہ الرحمہ سے پہلے کے محدثین یا معاصرین نے جن احادیث کے صحیح ہونے کا فیصلہ دیا تھا، صرف ان کو جمع کریں اور اپنی کتاب کو مرفوع و مسند احادیث کے لیے مختص کریں اور اس میں جن آثار وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے، تو وہ بالتبع لائے گئے نہ کہ مقصودِ اصلی کے طور پر اور اسی لیے بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب کو "الجامع الصحیح المسند" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ گویا صرف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح سے نہیں، بلکہ امام بخاریؒ کے تجویز فرمودہ نام سے بھی یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ وہ صرف احادیث مرفوعہ مسندہ متصلہ کی صحت کا التزام

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کیے ہوئے تھے اور انہوں نے ان کے انتخاب میں اپنی امکانی کوشش صرف کرکے صحاح کا انتخاب کیا ہے۔

لیکن جیسے عرض کیا جا چکا ہے کہ نفس الامر اور واقع کا حتمی علم یا کسی کے باطن کا قطعی علم حاصل کرنا محدث کی رسائی اور پہنچ سے ماورا ہے، اسی لیے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دریں کتب ستہ اقسامِ حدیث از صحاح وحسان وضعاف ہمہ موجود است وتسمیۂ آں بصحاح بطریقِ تغلیب است۔ (مقدمہ اشعۃ اللمعات ص ۹)

یعنی صحاح ستہ میں احادیث کے تمام اقسام صحیح، حسن اور ضعیف موجود ہیں اور ان کو صحاح کہنا اکثر و اغلب احادیث کے صحیح ہونے کی وجہ سے ہے —— لہٰذا علامہ موصوف کا یہ دعویٰ سراسر غلط ہے۔ علاوہ ازیں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز نے یہ فرق بھی واضح کر دیا تھا کہ بخاری و مسلم میں مذکور احادیث مرفوعہ کا حکم علیحدہ ہے اور بعد کے واقعات کی روایت وحکایت کا معاملہ علیحدہ ہے اور یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی اور بائیکاٹ وغیرہ کی روایات ارشاداتِ نبویہ نہیں ہیں، بلکہ بعد کے واقعات سے متعلق ہیں، بلکہ حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی بھی ثابت نہیں، صرف راویوں کا ظن و گمان ہے۔

نیز یہ حقیقت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ اخبار آحاد صحیح ہونے کے باوجود مفید علم ویقین اور مثبت عقائدِ قطعیہ نہیں ہو سکتیں، بلکہ بعض اکابر علماء شیعہ کے نزدیک موجب عمل بھی نہیں۔ کما فی تلخیص الشافی تو اندریں صورت صحیح ہونے کے باوجود بھی زہری والی روایات اخبار آحاد ہیں اور قطعی اور حتمی نظریہ قائم کرنے کا موجب نہیں بن سکتیں جبکہ خود زہری صاحب ہی قابلِ وثوق و اعتماد نہ رہے، تو پھر قطعی نظریہ کا اثبات ان سے کیونکر ممکن ہوگا اور جو کچھ بھی ہو کوئی راوی اس مرتبہ اور مقام کا مالک نہیں جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کا ہے، لہٰذا اس کی ایسی روایت جو ان کی عظمتِ شان میں تنقیص کی موجب ہو، اس میں راوی کو جھوٹا یا غلط فہمی کا شکار تسلیم کر لینا سہل ہے، مگر جن کی عظمتیں اور رفعتیں آیاتِ کلامِ مجید اور احادیثِ متواترہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

سے ثابت ہوں، ان کو مورد الزام ٹھہرانا اور ہدفِ طعن و تشنیع قرار دینا مشکل ہے جیسے کہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک صحت کا معیار قرآن مجید بھی ہے، اور خود شیعی علماء نے اہل بیت کرام سے کتبِ صحاح میں نقل کیا ہے کہ روایت کی صحت کا معیار کتاب اللہ اور سنّتِ مطہرہ کی موافقت ہے اور حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے نہج البلاغہ میں منقول ہے: لیس من العدل القضاء علی الثقة بالظن (نہج مع ابن میثم جلد خامس ص۳۵۴) کہ یہ عدل نہیں ہے کہ ثقہ اور قابلِ اعتماد شخص پر ظن و گمان کے تحت فیصلہ دے دیا جائے، لہٰذا ایسی آحاد اخبار سے عقائد اور نظریات کا اثبات اور بخاری علیہ الرحمہ کی غیر مرفوعہ اور غیر متصل روایات کے ساتھ اور ایسے راوی کی روایت کے ذریعے جس کو شیعہ نے اپنا آدمی تسلیم کیا ہو، ایسی مقدس اور بلند مرتبت الزامات و اتہامات عائد کرنا قطعاً روا نہیں ہو سکتا۔

سوال دوم: علامہ ڈھکو صاحب نے فرمایا: زہری کے تسنن اور جلالتِ قدر پر اہل السنّت کے علماء رجال کا اتفاق ہے۔

جواب: حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے جب یہ تصریح فرمادی تھی کہ ہم تو اب بھی زہری کو اسی طرح سنی سمجھتے۔ اگر گھر کے بھیدی اس کے متعلق یہ انکشاف نہ کرتے کہ وہ شیعہ تھے، لہٰذا اس تصریح کے ہوتے ہوئے علماء اہل سنت اور اصحابِ رجال کا حوالہ دینا صرف غیر ضروری ہی نہیں، بلکہ بے محل اور بے جواز بھی ہے، کیونکہ آپ نے شیعی مسلمات کو ملحوظ رکھ کر یہ جواب دیا تھا۔

سوال سوم: ڈھکو صاحب فرماتے ہیں یہ تسلیم کر بھی لیں کہ زہری آخری عمر میں شیعہ ہو گیا تھا جیسے کہ بعض علماء شیعہ نے تصریح کی ہے، مگر یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ اس کی یہ روایات شیعہ ہونے کے بعد کی ہیں، ہو سکتا ہے پہلے کی ہوں؟

جواب: لیکن علامہ موصوف نے یہاں ڈنڈی ماری ہے اور دھوکہ دہی سے کام لیا ہے، کیونکہ جب زہری کا شیعہ ہونا ثابت ہو گیا اور ایسی روایات بھی تسلیم ہو گئیں جو عظمتِ صحابہ کرام اور ان کے اہل بیت عظام کے ساتھ اخلاص اور نیازمندی کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

خلاف یقین، تو لازمی طور پر یہ ماننا پڑے گا کہ موصوف پہلے سے ہی اسی مذہب و مسلک پر کاربند تھے اور خاص مقصد کے تحت اپنے عقائد کو چھپائے ہوتے ہیں۔ جب مقصد پورا ہو گیا، تو پھر رازِ دروں کو آشکار کر دیا اور تقیہ کے مقاصد پورے ہو گئے، تو اصلی عقیدہ کا اظہار کر دیا، جیسے کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ شیعی علماء و محدثین کرام کا طریق کار یہی رہا ہے اور انہوں نے انہی مقاصدِ فاسدہ اور مطالبِ ردیہ کی تکمیل کے لیے ہی تقیہ کو ایجاد کیا تھا، لہٰذا اس اظہار اور اعلان سے پہلے کی روایات ہوں یا اس کے بعد کی ہوں، جو بھی مذہبِ تشیع کی مؤید ہوں گی، وہ سبھی مخدوش اور ناقابلِ اعتبار ہوں گی، کیونکہ پہلے دور کی نیک نیتی اور صدق و سچائی کی ضمانت کیا ہو گی، بلکہ جب زہری صاحب کی سابقہ روایات ہی مذہبِ تشیع اور رفض کا دار و مدار ہیں تو پھر ان کو درست تسلیم کرنے یا شیعہ مذہب کو درست تسلیم کرنے میں کیا فرق ہو گا؟

سوال چہارم: اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ وہ ابتداء سے ہی شیعہ تھا تو اس کی روایات کے ناقابلِ قبول ہونے کے لیے اس کا تبرائی اور رافضی ہونا ثابت کرنا پڑے گا، کیونکہ محض محبِ اہلبیت ہونے کی وجہ سے شیعہ کہلانا قبولِ روایت کے منافی نہیں ہے؟

جواب: علامہ موصوف نے یہاں بھی کمال سادگی یا انتہائی ہوشیاری اور عیاری کا مظاہرہ کیا ہے کہ تشیع دو قسم پر ہے اور زہری کون سے قسم میں داخل تھا جو شخص سرِ مقام پر مقدس ہستیوں کے درمیان بغض و عناد اور نفرت و کدورت اور ہجران و بائیکاٹ ثابت کرنے کے درپے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سسر اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بہنوئی کے لیے حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر کی طرف سے نمازِ جنازہ کی اطلاع اور جنازہ پڑھنے کی اجازت دینے کے روادار بھی نہ رہنے دے اور اہلِ تشیع اور رافضیوں کو ان پر سب و شتم اور طعن و تشنیع کا اہم موقع مہیا کرے، اس کے رافضی ہونے میں

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے؟ جبکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ روافض و خوارج و دیگر فرق مبتدعہ کی نقل کردہ روایات جو ان کے مذہب اور عقیدۂ بدعت کی موجب اور مثبت ہوں یا اس کی تائید اور تقویت کا باعث ہوں، وہ بالکل قابلِ قبول نہیں ہوتیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری کے مقدمہ میں صـ۳۸۲ پر اس کی تصریح فرمائی ہے اور اس ضمن میں جو قول اور مذہب زیادہ موزوں اور مناسب قرار دیا ہے، وہ یہ ہے: والثالث التفصيل بين ان يكون داعية ببدعته اوغير داعية فيقبل غير الداعية ويرد حديث الداعية و هٰذا المذهب هو الاعدل وصارت اليه طوائف من الائمة (الى) ان اشتملت رواية غير الداعية على ما يشيد بدعته ويزينه ويحسنه ظاهرا فلا يقبل وان لم يشتمل فتقبل الخ۔ یعنی تیسرا قول یہ ہے کہ ردّ و قبول میں تفصیل ہے درمیان اس کے اس مبتدع راوی کی روایت اس کی بدعت کے لئے سبب داعی ہے یا نہیں؟ دوسری صورت میں مقبول ہے اور پہلی صورت میں مردود اور ناقابلِ قبول ہے اور یہی مذہب اعتدال اور میانہ روی کے زیادہ قریب ہے اور اسی کی طرف ائمہ کرام کی جماعتوں نے رجوع کیا ہے اور اس پر مزید تفصیل یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اگر ایسے بدعتی راوی کی روایت اس کے عقیدہ کی باعث و موجب نہ بھی ہو، لیکن اس کی تائید و تقویت اور اس کی تزئین و آرائش کی موجب ہو تو پھر بھی مقبول نہیں اور اگر ایسے معانی اور مفاہیم پر مشتمل نہیں تو پھر مقبول ہے۔

اس پس منظر میں زہری کی انفرادی روایات کے مردود اور ناقابلِ قبول ہونے میں توقف کس طرح کیا جا سکتا ہے، جبکہ اہلِ تشیع اس کو شیعہ تسلیم کر چکے اور اس کی روایات نیز ائی شیعوں کے نظریہ و عقیدہ کی بنیاد اور سببِ موجب ہیں۔ نیز سیوطی، حافظ علی بن عراق اور علامہ علی بن سلطان قاری رحمہم اللہ تعالیٰ نے کسی بھی روایت کے موضوع ہونے کے لیے یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ راوی رافضی ہو اور اس میں اہل بیت کے فضائل بیان

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

کرنے میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہو یا اس میں اہل بیت کرام کے مفروض اور مزعوم مخالفین کی مذمت کی گئی ہو اور اس میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہو۔ (مرقاۃ صفحہ ۳۸۷ ج ۱۱)

الغرض علماء شیعہ کے اس اعتراف و تسلیم کے بعد ایسے شخص کی روایات کو اہل السنت کے خلاف پیش کرنا سراسر زیادتی اور دھاندلی ہے۔

سوال پنجم: زہری دو ہزار روایات سے زیادہ کا راوی ہے، اس کو شیعہ ماننے پران سب روایات سے ہاتھ دھونے پڑیں گے الخ

جواب: ڈھکو صاحب بے چارے خواہ مخواہ اعداد و شمار کے چکر میں پڑ گئے اور خسارہ اور نفع دکھانے لگ گئے اور علامہ ذہبی کے قول پر غور کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔ اس مصنوعی مجتہد العصر کو کون سمجھائے کہ کسی شخص کے ہزاروں روایات کے راوی ہونے کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ ان روایات میں منفرد ہے اور دوسرے راویوں نے ان روایات کو ذکر ہی نہیں کیا۔ اگر بالفرض علامہ ڈھکو صاحب کو چند سورتیں یاد ہوں اور وہ انہیں پڑھتے ہوں تو اس کا کیا یہ مطلب ہوگا کہ صرف انہیں ہی یاد ہیں، دوسروں کو یاد نہیں؟ دیکھئے مسلم اور بخاری کی روایات ہزاروں کی تعداد میں ہیں، مگر بعض روایات میں اتفاق و اشتراک بھی ہے اور دوسرے محدثین نے بھی وہ روایات نقل کی ہیں۔ اسی طرح زہری سے منقول روایات، دوسرے محدثین سے بھی منقول ہیں، لہٰذا ایسے کسی خسارے کا ہمیں کوئی اندیشہ اور فکر لاحق نہیں۔ البتہ زہری کا انداز بیان اور اسلوب ایسا ہوتا ہے، جس میں شیخین رضی اللہ عنہما پر کسی نہ کسی طرح کا الزام بن جاتا ہے جبکہ وہی روایات دوسرے حضرات نقل کریں، تو اس میں ایسے الفاظ نہیں ہوتے جو اس قسم کا غلط تاثر پیدا کریں۔ طبقات ابن سعد میں میراث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ترکہ سے متعلق تیرہ روایات اور احادیث منقول و مروی ہیں، جن میں سے صرف زہری کی روایت میں یہ کلمات مرقوم ہیں:

فوجدت فاطمة عليها السلام على ابى بكر فهجرته فلم تكلمه حتى توفيت وعاشت بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم ستة اشهر۔ (ص ۱۳۱، ج ۴)

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

یعنی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی زبانی حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سُن کر آپ ان پر ناراض ہو گئیں اور ان سے تعلق ختم کر لیا اور وصال تک ان کے ساتھ کلام نہ کیا۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد چھ ماہ تک بقیدِ حیات رہیں۔

حالانکہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت کا بارِ گراں سنبھالنے کے بعد جو مشکلات در پیش تھیں، جن میں فتنۂ ارتداد، مانعینِ زکوٰۃ کا پیدا ہو جانا اور جھوٹے نبیوں کا لوگوں کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسانا وغیرہ، حتیٰ کہ آپ عرصہ تک مدینہ منورہ سے باہر ڈیرہ ڈالے رہے اور مختلف مہمات میں صحابہ کرام کو روانہ فرما کر اُنہیں سر کرتے رہے۔ تاوقتیکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ شام کی مہم سے فتحیاب ہو کر واپس نہ آ لئے۔ آپ مدینہ منورہ کے دفاع کی اہم ترین ذمہ داری کو بنفسِ نفیس ادا کرتے رہے۔ جب وہ واپس آگئے۔ تو آپ نے ان کو استراحت حاصل کرنے کے لیے مدینہ منورہ میں چھوڑا اور خود مرتدین کے خلاف کارروائی کے لیے مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے اور وہیں رہے اور جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام دوبارہ راحت حاصل کرنے اور سواریوں کو راحت پہنچانے کے بعد اس ذمہ داری سنبھالنے کے قابل ہو گئے۔ کما صرح بہ الطبری جلد نمبر ۳ ص ۲۲۳ و ص ۲۲۴ و ص ۲۲۵) تب آپ مدینہ شہر میں تشریف لاتے تو تو ان حالات میں ہجران اور ترک کلام کو باہتمامِ تام بیان کرنا کسی نیک نیتی کا غماز نہیں ہو سکتا۔

علاوہ ازیں ہجران اور ترکِ کلام وغیرہ مردوں کے درمیان ہو تو پھر بھی قابلِ فہم امر ہے۔ ایک ایسی مقدس پردہ دار خاتون کہ ملائکہ بھی ان سے حیا اور پردہ کریں، تو ان کے ساتھ ہجران اور مکمل بائیکاٹ کا کیا مطلب؟ ان کے ساتھ پہلے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کب آمد و رفت رکھتے تھے اور آپ کی مجلسِ مذاکرہ ہوا کرتی تھی کہ اب ہجران اور ترکِ سلام و کلام کی نوبت آگئی اور اس کو خصوصی طور پر بیان کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لہٰذا زہری صاحب کی روایات کے ناقابلِ قبول ہونے سے قطعاً کوئی خسارہ نہیں، البتہ ڈھکو صاحب کو ضرور خسارہ لاحق ہوگا، مگر اس کی ذمہ داری بھی انہیں کے اکابر کے سر عائد ہوگی، جنہوں نے تقیہ کا پردہ پھاڑ دیا اور حقیقتِ حال اور رازِ درون کو ظاہر کر دیا اور زہری کو ناقابلِ اعتبار بنا دیا اور اپنے آپ کو بھی ذلیل کیا اور من کتمہ اعزہ اللّٰہ ومن اذاعہ اذلہ اللّٰہ کے سراسر خلاف کیا۔

مضحکہ خیز بات: ڈھکو صاحب نے فرمایا کہ سوائے پیر صاحب سیالوی اور مولوی احمد شاہ صاحب چوکیروی کے دوسرے علماء کو معلوم نہ ہو سکا کہ زہری کیا ہے؟ تو گویا وہ سبھی مورکھ، جاہل اور غیر محقق تھے وغیرہ وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے علامہ صاحب کی یہ بات واقعی مضحکہ خیز ہے۔ اگر ان اکابرین نے شیعہ حضرات کی تصریحات نہ دیکھیں اور ان کے اس اقرار و اعتراف کو ملاحظہ نہ فرمایا اور زہری کے متعلق حُسنِ ظن کا اظہار کیا، تو ان سے ان کا مورکھ اور جاہل ہونا کیونکر لازم آ گیا، جبکہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے بھی تصریح فرمائی ہے کہ ہم اب بھی اس کو سُنّی سمجھتے اگر گھر کے بھیدیوں کا زہری کے متعلق یہ انکشاف نہ موجود ہوتا۔ آپ کے اس جواب کا محمل وہی ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلے اور فتوے کا ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلے کے برعکس دیا گیا تھا، مگر اس لیے نہیں کہ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کو العیاذ باللہ فتویٰ اور فیصلہ کے اہل نہیں سمجھتے تھے، بلکہ جو بنیاد حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کی تھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی تحقیق و تفتیش سے وہ بنیاد بدل گئی، لہٰذا فتویٰ اور فیصلہ بھی بدل گیا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایک عورت کے بچے کو بھیڑیئے نے اُٹھا لیا اور دوسری عورت حالتِ زچگی میں بیہوش ہو گئی تھی، تو اس نے اس کا بچہ اٹھا لیا اور اسے بتلایا کہ تیرا بچہ بھیڑیا لے گیا ہے، مگر اُس نے اُس کی بات نہ مانی اور جھگڑا حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے گواہ موجود نہ ہونے اور بڑی کے بچے پر قابض ہونے اور اس کے حلف اُٹھانے کی وجہ سے فیصلہ بڑی کے حق میں کر دیا پھر

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

وہ جھگڑا حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا، تو آپ نے فرمایا، ایک چھری لاؤ میں اس کو چیر دیتا ہوں تاکہ تم دونوں اس کا ایک ایک حصہ لے لو۔ چھوٹی نے تڑپ کر کہا نہیں حضور بچہ بڑی کو دے دو، میں اس دعوے سے دستبردار ہوتی ہوں۔ جب آپ نے بڑی سے دریافت کیا کہ چھوٹی تو چیرنے کی خبر سن کر تڑپ اٹھی، مگر تو ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ اگر تیرا لخت جگر ہوتا تو تو کیوں مضطرب نہ ہوتی؟ تو وہ لاجواب ہوگئی اور اس کو چھوٹی کا دعویٰ تسلیم کرنا پڑ گیا اور آپ نے بچہ اس سے لے کر چھوٹی کو دے دیا۔ یہاں پر حکم جدا جدا ہیں، مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق اس قسم کا وہم گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا جس قسم کی ڈھکو صاحب نے علمائے اہل السنت کے حق میں گوہر افشانی فرمائی ہے، جبکہ آپ کا یہ جواب بھی اہل تشیع کے اس اعتراف و تسلیم پر مبنی ہے اور باندازِ قیاس جدلی ہے۔

نیز جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے چار ہونے کی روایات کافی کلینی اور نہج البلاغہ اور حیات القلوب وغیرہ سے پیش کی جاتی ہیں حضرت ام کلثوم بنت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ عقد و تزویج کی روایات کافی، تہذیب وغیرہ سے پیش کی جاتی ہیں اور مذہب تشیع اور رفض کی بنیاد عبداللہ بن سبا کی طرف سے رکھے جانے کے حوالے دیے جاتے ہیں تو ڈھکو صاحب اور دیگر اخلاف چلا اٹھتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ روایات غلط ہیں۔ موضوع من گھڑت ہیں اور خلاف عقل و درایت ہیں، لہٰذا ناقابل اعتبار ہیں، تو کیا ڈھکو صاحب اس وقت یہی سمجھتے ہیں کہ مذہب شیعہ میں صرف محقق پیدا ہوئے ہیں اور مولوی اسماعیل گوجروی پہلے تمام شیعہ محدثین و مفسرین اور مؤرخین وغیرہ جاہل، مورکھ اور تحقیق و تدقیق سے بیگانہ تھے حالانکہ کافی کی تصدیق و تائید تو حضرت امام مہدی علیہ السلام نے فرمائی اور بقول شیعہ اس کے متعلق کہا: ھٰذا کاف لشیعتنا تو ڈھکو صاحب! امام آخر الزماں کے متعلق کیا فرمائیں گے؟

فروعِ کافی کے حوالے سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر مشتمل روایت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

حضرت شیخ الاسلام نے ذکر فرمائی جس سے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی زبانی آپ کا حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہما سے افضل ہونا ثابت کیا گیا تو ڈھکو صاحب نے اس کے جواب میں راویوں کو مجبرہ اور سُنی کہہ کر اس روایت کو ٹھکرا دیا تو علامہ صاحب بتلا سکیں گے کہ کافی کے مؤلف کلینی کو اس کی تصدیق کرنے والے حضرت امام مہدی علیہ السلام کو وہ کیا سمجھتے ہیں؟ ان میں کوئی علم و حکمت اور تحقیق و تدقیق نہ تھی یا یہ سعادت صرف ڈھکو صاحب کے حصہ میں آئی ہے، لہٰذا علامہ موصوف کی یہ بات واقعی مضحکہ خیز ہے۔

علاوہ ازیں حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کا بنیادی مقصد صرف یہ تھا کہ جب تم خود ایک شخص کو اپنے علماء و محدثین کے زمرہ میں شمار کرتے ہو اور تقیہ کو بھی تم نے دین و ایمان کا نوے فیصد قرار دے رکھا ہے، بلکہ عین ایمان، تو ہمارا عذر واضح ہے کہ تم نے ہمیں تقیہ کی آڑ میں بے خبر رکھا، بلکہ دھوکہ دیا اور جب خود ہی اقرار کر لیا، تو اب الزام کیسا؟ اور حجت بازی اور حیلہ سازی کیسی؟ ڈھکو صاحب کو اس کا جواب دینا چاہیئے تھا، مگر وہ اس سے عاجز و قاصر رہے۔ اپنے علماء کو جھٹلائیں، تو بھی بات نہیں بنتی اور ان کو سچا مانیں تو زہری گلے پڑتا ہے اور بنا بنایا کھیل ختم ہوتا ہے۔

الحاصل زہری صاحب کو علمائے اہل السنت اپنا سمجھتے رہے اور اس کی اس طرح کی روایات کی ایسی تاویلات و توجیہات کرتے رہے کہ صحتِ روایت کی صورت میں بھی حضرات اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مراتبِ عالیہ اور خداداد عظمت و رفعت میں کسی طرح کا فرق نہ آنے پائے، لیکن جب شیعی علماء رجال نے زہری صاحب کے متعلق یہ انکشاف کر دیا تو ان روایات کے متعلق ایک نیا جواب بھی سامنے آ گیا۔ اب ڈھکو صاحب صرف یہ فیصلہ دیں کہ اس کے اسلاف نے جو کہا، وہ اس میں سچے ہیں یا جھوٹے ہیں؟ سچے ہونے کی صورت میں ہمارے خلاف الزام قائم کرنے کی کوئی وجہ نہ رہی اور جھوٹے ہیں تو ہم دوسرے جواب ذکر کر دیں گے، لیکن علامہ موصوف کو بتلانا پڑے گا کہ انہیں ایسے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت پڑی تھی اور اس سے کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتے تھے؟

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

زہری کا عقیدہ از روئے روایات اہل التشیع

آیئے اب زہری کے متعلق اکابرینِ شیعہ کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں :

۱- عدہ الشیخ فی رجالہ من اصحاب الصادق علیہ السلام۔
شیخ صدوق نے زہری کو اپنی کتاب رجال میں امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے اصحاب
سے شمار کیا ہے۔ (تنقیح المقال از مامقانی)

۲- شیخ عبداللہ مامقانی نے بعض متاخرین کے حوالے سے نقل کیا ہے :

بل لا وجہ لما صدر من بعض المتاخرین من نفی البعد
عن کونہ شیعیا وانہ اظہر المخالفۃ للتقیۃ - یعنی جن بعض متاخرین نے
کہا ہے کہ زہری شیعہ ہوا اور اس نے مخالفت کا اظہار تقیہ کی وجہ سے کیا ہو۔
تو اس کی کوئی وجہ نہیں ہے، لیکن مامقانی کے نزدیک نہ سہی، جنہوں نے اس کے تشیع
کو مستبعد نہیں سمجھا - ان متاخرین کے نزدیک کوئی وجہ وجیہ تھی، تبھی انہوں نے یہ قول کیا کہ
اس کا تشیع قیاس ودرایت کی رُو سے بعید نہیں - بہرکیف بعض متاخرین کے قول سے اس
کا تشیع ظاہر ہوگیا۔

۳- مولی وحید شیعی نے اس کی تصریح کرتے ہوئے کہا : روی الجلیل الثقۃ
علی بن محمد بن علی الخزاز فی کتابہ الکفایۃ فی النصوص من
الزہری روایۃ تدل علی کونہ من الشیعۃ۔

یعنی جلیل وثقہ عالم علی بن محمد بن علی خزاز نے اپنی کتاب کفایہ میں نصوصِ امامت
کے ضمن میں زہری سے روایت نقل کی ہے جو اس کے شیعہ ہونے کی دلیل ہے۔

۴- ملا باقر مجلسی نے مرآۃ العقول میں زہری کے متعلق کہا : ھذا الکافر
کان من اصحاب ابی الخطاب وکان یعتقد ربوبیۃ کاعتقاد
ابی الخطاب فانہ اثبت ذالک لہ وادعی النبوۃ من قبلہ لنفسہ
علی اہل الکوفۃ - یہ کافر ابوالخطاب کے مصاحبین میں سے تھا اور حضرت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی ربوبیت کا عقیدہ رکھتا تھا، جیسے کہ ابوالخطاب کا عقیدہ تھا، کیونکہ اُس نے آپ کے حق میں ربوبیت کو ثابت کیا اور اپنے لیے ان کی طرف سے اہلِ کوفہ کی طرف نبی و رسول ہونے کا دعویٰ کیا۔

علامہ مامقانی نے کہا یہاں اشکال یہ ہے کہ ہم تو اس کے ناصبی ہونے کے مدعی تھے، مگر علامہ مجلسی کے قول کے مطابق وہ غالی شیعہ ثابت ہوا۔ پھر جواب دیتے ہوئے کہا، دونوں نسبتیں درست ہوسکتی ہیں۔ بان یکون ناصبیا اولا غالیا اخیرًا۔ بایں طور کہ پہلے ناصبی رسُنّی ہو اور آخر میں غالی شیعہ ہوگیا ہو۔

۵۔ مامقانی نے مختلف روایات اور اخبار و اقوال نقل کرنے کے بعد اپنا نقطۂ نظریہ بیان کیا ہے، والذی اعتقدہ من مجموع الاخبار وکلمات اصحابنا ان الرجل متلون المزاج غیر مستقیم الرای فلا اعتماد علیٰ خبرہ علیٰ کل حال (تنقیح المقال جلد ثالث جزو اول صک۱۸)

یعنی مجموعی طور پر ان روایات اور علماء شیعہ کے اقوال سے جس نظریہ و عقیدہ اور خلاصۂ نتیجہ تک میں پہنچا ہوں، وہ یہ ہے کہ محمد بن مسلم بن شہاب زہری متلون مزاج تھا اور اس کے نظریہ و عقیدہ میں استقامت اور ثابت قدمی نہیں تھی، لہذا کسی حال میں بھی اس کی روایات قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

اقول: جب بعض اکابرین علماء شیعہ زہری کے تشیع کے قائل ہیں اور بعض اس کے غالی شیعہ ہونے کے معترف ہیں اور بعض اس کے تلون مزاج اور عدمِ استقامت اور رائے کی ناپختگی کے قائل ہیں، یعنی بعض اخبار و روایات اہلِ تشیع کے موافق نقل کرتا ہے، تو بعض اہل السنت کے موافق تو از رُوئے دیانت اس کی روایت سے ان صحابہ کرام علیہم الرضوان پر اعتراض و انکار اور تنقید و تنقیص کا علماء شیعہ کو کیا حق پہنچتا ہے، جن کی دیانت و امانت اور اخلاص و للّٰہیت اور عظمت و رفعتِ شان قرآن مجید کے نصوصِ قطعیہ اور رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ صحیحہ متواترہ اور ائمہ کرام کے صحیح اور قطعی الثبوت ارشادات سے ثابت ہو۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari